

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ گروہ اذہم

مدیر اعلیٰ
محمد الیکس گھمن

فقیہ
مرگودھٹا
ماہنامہ

شمارہ نمبر 12

دسمبر 2014

جلد نمبر 3

اسلامی فکر و عمل کا دوست زاویہ

عالم اسلام کے عظیم مبلغ
مولانا جمشید علی
کے سانحات حال پر خصوصی تحریر

ماہِ صفر کی بدعات

شریعت اسلامیہ میں نماز کی قضاء کا حکم

متکلم اسلام
کا دورہ ملائیشیا

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ • 87 جنوبی الیگزینڈریا

تیسرا سالانہ علماء اجتماع

7 دسمبر 2014 اتوار صبح 9 تا سپہر 4 بجے

مستطلم اسلام
مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعت

مقام: مرکز اہل السنۃ والجماعت - 87 جنوبی سرگودھا
رابطہ: 03002961313، 03467357394

**KHUSH
KHABRI**

AHNAF MEDIA



ab

WhatsApp par!!

**Video
Clips**



**Audio
Clips**



**Masael o Dalael
our bahut kuch**

دلیل نامبر 3

3 دلیل نامبر

”الاسماء الحافظ ابو حنيفة نعمان بن ثابت رضى الله عنه يقول سمعت النخعي يقول سمعت البراء بن عازب رضى الله عنه يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال الله اكبر قال الله اكبر“

Service hasil karne ka tareeka


Inda: 0092 - 320 - 411 - 7383

Pakistan: 0092 - 304 - 610 - 9956

Arab Countries: 0092 - 305 - 213 - 4811

Other Countries: 0092 - 306 - 844 - 5718

1- Ye number apne mobile contacts mein save karlein.

2- Name, country, city aur profession likh kar is number par whatsapp  message karein.

مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا کا ترجمان



شمارہ 12

دسمبر 2014ء

جلد نمبر 3

معاون مدیر

مولانا محمد کلیم اللہ
نگران شعبہ رسائل و جرائد

مدیر

مولانا محمد الیاس گھمن

ایجنسی ہولڈرز مہر لگائیں اور ہدیہ دینے والے اپنا نام لکھیں!



بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر سالانہ

● آپ یہ شمارہ آن لائن پڑھ اور ڈاؤن لوڈ
بھی کر سکتے ہیں



www.ahnafmedia.com

سرکولیشن منیجر
0332-631 1808

Contact Us

قیمت فی شمارہ 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ
300 سالانہ
روپے زر تعاون

www.ahnafmedia.com
mag@ahnafmedia.com

مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا



فہرست

- 3 اسلامی فکر و عمل کا درست زاویہ -----
اداریہ
- 5 ماہِ صفر کی بدعات -----
مفتی محمد راشد ڈسکوی
- 17 متکلم اسلام کا دورہ ملائیشیا -----
مولانا محمد کلیم اللہ حنفی
- 22 امام ابراہیم بن یزید النخعی رحمہ اللہ -----
مولانا محمد عاطف معاویہ
- 25 امام معمر بن راشد الازدی البصری -----
مفتی شبیر احمد حنفی
- 36 شریعت اسلامیہ میں نماز کی قضاء کا حکم -----
مفتی محمد نجیب قاسمی
- 45 دین کا اہم موضوع تصوف -----
مولانا عنایت اللہ عینی
- 50 تقلید شخصی کیوں واجب ہے؟ -----
مولانا محمد مبشر بدر
- 55 فکری گمراہی کا چوتھا سبب ----- مولانا محب اللہ جان
- 59 باتیں اُن کی یاد رہیں گی!! ----- مفتی راشد ڈسکوی

اسلامی فکر و عمل کا درست زاویہ

کھ..... ادارہ

اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ یہ علاقائی، قومی، لسانی اور وقتی قیود میں جکڑا ہوا نہیں، اس کے دامن کی وسعتوں میں شرق و غرب اور عرب و عجم سمٹ جاتے ہیں۔ اس کو لانے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین، امتیوں اور انبیاء علیہم السلام کے نبی ہیں جن کی نبوت، رسالت اور رحمت والی سلطنت تحت الشری سے لے کر اوج ثریا تک، بلکہ سدرۃ المنتہی تک، بلکہ سدرۃ المنتہی سے بھی کہیں آگے مقام قاب قوسین کی سرحدوں کو چھو رہی ہے۔

اس کا دستور قرآن کریم بھی عالمی ہے، جو انسانیت کی تخلیق سے بھی پہلے اپنے اندر اتنی جامعیت رکھتا ہے کہ ماضی، حال اور استقبال کی گرہ بندیوں سے آزاد ہے، ازلی وابدی سچا اور معتبر ہونے کا واحد اعزاز اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ اس لیے یہ کہنا بالکل عین حقیقت ہے کہ اسلام کے نظریاتی نظام، تعلیمی نظام، عباداتی نظام، معاشرتی نظام، دعوتی نظام، سیاسی نظام، معاشی نظام، اقتصادی نظام، سماجی نظام، فلاحی و رفاہی نظام اور اس کے قانونی اور اصولی نظام کی جامعیت، اکملیت اور عالمگیریت کا تقاضا یہ ہے کہ پوری دنیا میں اسلام ہی کا نفاذ ہو۔ جب ہمارا مذہب عالمی ہے، نبی عالمی ہے، قرآن جیسا اسلامی دستور عالمی ہے تو ہماری محنت کا دائرہ کار، ہماری فکر و نظر کی بلندی، ہماری دعوتی اور تبلیغی مہم بھی عالمی ہونی چاہیے، مذہب عالم میں اسلام اور اقوام عالم میں مسلمان کی امتیازی شان و برتری اس کا بنیادی حق ہے، اپنے حق کے حصول کی حقیقی جدوجہد اور اس کے تحفظ کے تمام علمی و عملی موثر اقدامات کرنا ہماری

اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ حقائق سے نظریں چرائے بغیر اس امر کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عہد حاضر میں اسلام دشمن اور مسلم کش طاقتیں الکفر ملۃ واحدة کا روپ دھارے نمودار ہیں اور وہ اسلام کی نظریاتی سرحدات اور دنیا میں اہل اسلام کی جغرافیائی سرحدات پر حملہ آور ہیں۔

اس لیے دنیا میں بسنے والا ہر وہ انسان جو اپنا تعلق اسلام جیسے آفاقی اور عالمگیر مذہب سے استوار کر کے خود کو مسلمان کہلواتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت اور مقام کے مطابق بلکہ اپنے علم و عمل کے مطابق اسلام اور اہل اسلام کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدات پر دشمنان اسلام اور دشمنان اہل اسلام سے نبرد آزما ہونے کے لیے مورچہ زن ہو جائے اور اپنی کمر کس لے۔ تاریخ کے امنٹ نقوش میں آج تک یہ حقیقت نہیں دھندلائی بلکہ پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہو کر یہ اعلان کر رہی ہے کہ اسلام کے متوالوں نے ہر دور میں اپنے مذہب اسلام کی نظریاتی سرحدات کا دلائل و براہین سے اور دنیا میں اہل اسلام کی جغرافیائی سرحدات کا ہمت و عزیمت، قوت و طاقت اور استقلال و جوانمردی سے تحفظ کیا ہے۔ آج بھی تاریخ خود کو دہرانے چلی ہے۔ دنیا بھر میں بسنے والے ہر اہل اسلام کو اقبال مرحوم کی زبان سے یہ پیغام ہے کہ

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

نہر ویاس کھن

ماہِ صفر کی بدعات

اور ایک من گھڑت حدیث کا جائزہ

..... مفتی محمد راشد ڈسکوی رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ”صَفَرُ الْمَطْفَرِّ“ شروع ہو چکا ہے، یہ مہینہ انسانیت میں زمانہ جاہلیت سے ہی منحوس، آسمانوں سے بلائیں اترنے والا اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھا جاتا ہے، زمانہ جاہلیت کے لوگ اس ماہ میں خوشی کی تقریبات (شادی، بیاہ اور ختنہ وغیرہ) قائم کرنا منحوس سمجھتے تھے اور قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ یہی نظریہ نسل در نسل آج تک چلا آ رہا ہے، حالاں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں اس مہینے اور اس مہینے کے علاوہ پائے جانے والے والے توہمات اور قیامت تک کے باطل نظریات کی تردید اور نفی فرمادی اور علی الاعلان ارشاد فرمادیا کہ: (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری کے دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ)، ماہِ صفر (میں) نحوست ہونے کا عقیدہ (اور ایک مخصوص پرندے کی بدشگونی (کا عقیدہ) سب بے حقیقت باتیں ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لَا عَدْوٰی وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةً (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الحمامہ، رقم الحدیث: 5770)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں اس قسم کے فاسد و باطل خیالات و نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے نظریات و عقائد کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں تلے روند چکے ہیں۔

ماہِ صفر کے متعلق نحوست والا عقیدہ پھیلانے کی خاطر دشمنانِ اسلام نے

سرکارِ دو عالم ﷺ کی طرف منسوب جھوٹی روایات پھیلانے جیسے مکروہ اور گھناؤنے افعال سے بھی دریغ نہیں کیا، ذیل میں ایک ایسی ہی من گھڑت روایت اور اس پر ائمہ جرح و تعدیل کا کلام ذکر کیا جاتا ہے، وہ من گھڑت حدیث یہ ہے: ”مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ“ ”جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا۔“

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے صفر کے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا ہے، طریقہ استدلال یہ ہے کہ چونکہ اس مہینہ میں نحوست تھی، اس لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس مہینے کے صحیح سلامت گزرنے پر جنت کی خوشخبری دی ہے۔

تو اس بارے میں جان لینا چاہیے کہ یہ حدیث صحیح و معتبر نہیں ہے، بلکہ موضوع اور لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے، اس کی نبی اکرم ﷺ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ ائمہ حدیث نے اس من گھڑت حدیث کے موضوع ہونے کو واضح کرتے ہوئے اس عقیدے کے باطل ہونے کو بیان کیا ہے، ان ائمہ میں ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ شوکانی اور علامہ طاہر پٹنی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں، ان حضراتِ ائمہ کا کلام ذیل میں پیش کیا جاتا ہے: چنانچہ ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ“ (لا اصل له)

(الموضوعات الکبریٰ، حرف المیم، رقم الحدیث: 2324، 437، المکتب الاسلامی)

اور علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی رحمہ اللہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں: ”مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ“ قال القاری فی الموضوعات تبعاً للصفغانی: ”(لا اصل له“

(کشف الخفاء و مزیل الالباس، حرف المیم، رقم الحدیث: 2538، 2418، مکتبۃ العلم الحدیث)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو ماہِ صفر میں سفر نہیں کرتے (یعنی: سفر کرنا درست نہیں سمجھتے) اور نہ ہی اس مہینے میں اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں، مثلاً: نکاح کرنا اور اپنی بیویوں کے پاس جانا وغیرہ اور اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان ”کہ جو مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا“ سے دلیل پکڑتے ہیں، کیا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک (سند کے اعتبار سے) صحیح ہے؟ اور کیا اس مہینے میں نحوست ہوتی ہے؟ اور کیا اس مہینے میں کسی کام کے شروع کرنے سے روکا گیا ہے؟ تو جواب ملا کہ ماہِ صفر کے بارے میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے، یہ کچھ ایسی باتیں ہیں جو اہل نجوم کے ہاں پائی جاتیں تھیں، جنہیں وہ اس لیے رواج دیتے تھے کہ ان کا وہ قول ثابت ہو سکے، جسے وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ یہ صاف جھوٹ ہے۔

(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الکراہیہ، باب المتفرقات: 5461، دارالکتب العلمیہ)

نمبر: ۲ اس من گھڑت اور موضوعِ روایت کو ایک طرف رکھیں، اس کے بالمقابل ماہِ صفر کے بارے میں بہت ساری صحیح احادیث ایسی موجود ہیں جو ماہِ صفر کی نحوست کی نفی کرتی ہیں، تو ایسی صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے موضوعِ حدیث پر عمل کرنا یا اس کی ترویج کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن بنانا کوئی عقل مند کی بات نہیں ہے۔

نمبر: ۳ محدثین عظام کی تصریحات کے مطابق مذکورہ حدیث موضوع اور منگھڑت ہے، لیکن اگر کچھ لمحات کے لیے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو بھی اس حدیث سے ماہِ صفر کے منحوس ہونے پر دلیل پکڑنا درست نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اس کا صحیح مطلب اور مصداق یہ ہو گا کہ چوں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا

ربیع الاول میں وصال ہونے والا تھا اور آپ ﷺ کو اپنے رب عزوجل سے ملاقات کا بے حد اشتیاق تھا، اس لیے ربیع الاول کے شروع ہونے کا انتظار تھا، چنانچہ اس شخص کے لیے آپ نے جنت کی بشارت کا اعلان فرمادیا جو ماہِ صفر کے ختم ہونے کی (اور ربیع الاول شروع ہونے کی) خبر لے کر آئے۔

خلاصہ کلام! یہ کہ اس حدیث کا (بصورتِ صحیح ہونے) ماہِ صفر کی نحوست سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ اسے محض مسلمانوں میں غلط نظریات پھیلانے کی غرض سے گھڑا گیا ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعی حیثیت:

ماہِ صفر کے بارے میں لوگوں میں مشہور غلط عقائد و نظریات میں ایک ”اس مہینے کے آخری بدھ“ کا نظریہ بھی ہے، کہ اس بدھ کو نبی اکرم ﷺ کو بیماری سے شفا ملی اور آپ نے غسلِ صحت فرمایا، لہذا اس خوشی میں مٹھائیاں بانٹی جاتی ہیں، شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور بہت سے علاقوں میں تو اس دن خوشی میں روزہ بھی رکھا جاتا ہے اور خاص طریقے سے نماز بھی پڑھی جاتی ہے، حالاں کہ یہ بالکل خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ بات ہے، اس دن تو نبی اکرم ﷺ کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی تھی، نہ کہ مرض کی انتہاء اور شفائی، یہ افواہ اور جھوٹی خبر دراصل یہودیوں کی طرف سے آپ کی مخالفت میں آپ کے بیمار ہونے کی خوشی میں پھیلائی گئی تھی اور مٹھائیاں تقسیم کی گئی تھیں۔ ذیل میں اس باطل نظریے کی تردید میں اکابر علماء کے فتاویٰ اور دیگر عبارات پیش کی جاتی ہیں جن سے اس رسمِ بد اور غلط روش کی اور صفر کے آخری بدھ میں نبی اکرم ﷺ کے شفا یاب ہونے یا بیمار ہونے کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ روزہ رکھنے کا شرعی حکم:

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ”امداد المفتین“ میں ایک سوال کے جواب میں صفر کے آخری بدھ کے روزے کی شرعی حیثیت واضح کرتے ہیں۔

سوال: ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ بلادِ ہند میں مشہور بایں طور ہے کہ اس دن خصوصیت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے اور شام کو کچوری یا حلوہ پکا کر کھایا جاتا ہے، عوام اس کو ”کچوری روزہ“ یا ”پیر کا روزہ“ کہتے ہیں، شرعاً اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

جواب: بالکل غلط اور بے اصل ہے، اس [روزہ] کو خاص طور سے رکھنا اور ثواب کا عقیدہ رکھنا بدعت اور ناجائز ہے، نبی اکرم ﷺ اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم سے کسی ایک ضعیف حدیث میں [بھی] اس کا ثبوت بالاتزام مروی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے بطلان و فساد اور بدعت ہونے کی، کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں، جو نبی اکرم ﷺ نے امت کو تعلیم کرنے سے بخل کیا ہو۔

(امداد المفتین، فصل فی صوم النذر و صوم النفل، ص: 416، دارالاشاعت)

صفر کے آخری بدھ والی مخصوص نماز کا حکم:

اس دن میں روزہ رکھنے کی طرح ایک نماز بھی ادا کی جاتی ہے، جس کی ادائیگی کا ایک مخصوص طریقہ بیان کیا جاتا ہے، اس نماز کو بتلانے والے حضرات صوفیانِ کرام ہیں، نماز کا طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ ماہِ صفر کے آخری بدھ دو رکعت نماز، چاشت کے وقت، اس طرح ادا کی جائے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد (قل اللهم مالك الملك) والی دو آیتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن والی دو آیتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجیں اور ان الفاظ سے دعا کریں ”اللھم اصرِف عَنِّي شَرَّ هَذَا

اليومِ واعصِني شؤمَه واجعلَه عليَّ رحمةً وبركةً وجنِّينَ عَمَّا اخافَ فيه من نُحوساتِه وكرباتِه بفضلِكَ يا دافعَ الشرور، ويا مالِكَ النشور، يا ارحمَ الراحمينَ۔

اس طریقہ نماز کی تخریج علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ نے اپنی کتاب ”الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة“ میں کی ہے، آپ لکھتے ہیں :

ومنها: ”صلاة الاربعاء الآخر“ من شهر صفر وهي ركعتان تصليان وقت الضحى، في اولهما يقرأ بعد الفاتحة قل اللهم مالك الملك الآيتين مرّةً وفي الثانية قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن الآيتين ويصلي على النبي بعد ما يسلم، ثم يقول: ”اللهم اصرِفْ عَنِّي شَرَّ هَذَا الْيَوْمِ واعصِني شؤمَه واجعلَه عليَّ رحمةً وبركةً وجنِّينَ عَمَّا اخافَ فيه من نُحوساتِه وكرباتِه بفضلِكَ يا دافعَ الشرور، ويا مالِكَ النشور، يا ارحمَ الراحمينَ“

(مجموعۃ رسائل المكنوزی، ”الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة“، فی ذکر صلوات وادعیۃ مخصوصۃ، القول الفیصل فی هذا المقام: 594، ادارة القرآن کراچی)

اس کے بعد موصوف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”اس قسم کی مخصوص طریقوں سے ادا کی جانے والی نمازوں کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مخصوص طریقہ کی شریعت میں مخالفت موجود ہو تو کسی کے لیے ان منقول طریقوں کے مطابق نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مخصوص طریقے والی نماز شریعت سے متصادم نہ ہو تو پھر ان طریقوں سے نماز ادا کرنا مخصوص شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے جائز ہے، وگرنہ جائز نہیں ہے۔

وہ شرائط یہ ہیں:

(1) ان نمازوں کو ادا کرنے والا ان کے لیے ایسا اہتمام نہ کرے جیسا کہ شرعاً

ثابت شدہ نمازوں (فرائض و واجبات وغیرہ) کے لیے کیا جاتا ہے۔

(2) ان نمازوں کو شارع علیہ السلام سے منقول نہ سمجھے۔

(3) ان منقول نمازوں کے ثبوت کا وہم نہ رکھے۔

(4) ان نمازوں کو شریعت کے دیگر مستحبات وغیرہ کی طرح مستحب نہ سمجھے۔

(5) ان نمازوں کا اس طرح التزام نہ کیا جائے جس کی شریعت کی طرف سے

ممانعت ہو۔ جاننا چاہیے کہ ہر مباح کام کو جب اپنے اوپر لازم کر لیا جائے، تو وہ شرعاً مکروہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسے افراد معدوم (نہ ہونے کے برابر) ہیں جو مذکورہ شرائط کی پاسداری رکھ سکیں اور شرائط کی رعایت کیے بغیر ان نمازوں کو ادا کرنے کا حکم اوپر گذر چکا ہے کہ یہ عمل ”نیکی برباد، گناہ لازم“ کا مصداق تو بن سکتا ہے، تقرب الی اللہ کا نہیں۔

صفر کے آخری چار شنبہ کا حکم:

سوال: صفر کے آخری چار شنبہ کو اکثر عوام خوشی و سرور وغیرہ میں اطعامُ الطعام [کھانا کھلانا] کرتے ہیں، شرعاً اس باب میں کیا ثابت ہے؟

جواب: شرعاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں، سب جہلاء کی باتیں ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ، کتاب العلم، ص: 171، عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

صفر کے آخری چار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا:

سوال: یہاں مراد آباد میں ماہ صفر کے آخری چار شنبہ کو ”کارخانہ دار“ ان ظروف کی طرف سے کاریگروں کو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، بلا مبالغہ یہ ہزار ہا روپیہ کا خرچ ہے، کیونکہ صد ہا کاریگر ہیں اور ہر ایک کو اندازاً کم و بیش پاؤ بھر مٹھائی ملتی ہے، ان کے علاوہ دیگر کثیر متعلقین کو کھلانی پڑتی ہے، مشہور یہ روایت کر رکھی ہے کہ اس دن حضرت رسول اللہ ﷺ نے غسلِ صحت کیا تھا، مگر از روئے تحقیق بات برعکس ثابت ہوئی کہ اس دن حضرت رسول مقبول ﷺ کے مرضِ وفات میں غیر معمولی شدت

تھی، جس سے خوش ہو کر دشمنانِ اسلام یعنی یہودیوں نے خوشی منائی تھی، احقر نے اس کا ذکر ایک کارخانہ دار سے کیا تو معلوم ہوا کہ جاہل کاریگروں کی ہوا پرستی اور لذت پروری اتنی شدید ہے کہ کتنا ہی ان کو سمجھایا جائے وہ ہرگز نہیں مانتے اور چوں کہ کارخانوں کی کامیابی کا دار و مدار کاریگروں ہی پر ہے، تو اگر کوئی کارخانہ دار ہمت کر کے شیرینی تقسیم نہ کرے تو جاہل کاریگر اس کے کارخانہ کو سخت نقصان پہنچائیں گے، کام کرنا چھوڑ دیں گے۔

الف: حقیقت کی رو سے مذکورہ تقسیم شیرینی کا شمار افعالِ کفریہ، اسلام دشمنی سے ہونا تو عقلاً ظاہر ہے، تو بلا عذرِ شرعی اس کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ وہ مذکورہ حقیقت سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو؟

ب: جاہل کاریگروں کی ایذا رسانی سے حفاظت کے لیے کارخانہ داروں کا فعل مذکور میں معذور مانا جاسکتا ہے؟

ج: ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ سے متعلق جو صحیح روایات اوپر مذکور ہوئیں، وہ کس کتاب میں ہیں؟

د: حضرت رسولِ مقبول ﷺ کے مرضِ وفات میں شدت کی خبر پا کر یہودیوں نے کس طرح خوشی منائی تھی؟

الجواب حامدٌ اَوْ مصلیاً: ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشی کی تقریب منانا، مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً بے دلیل ہے، اس تاریخ میں غسلِ صحت ثابت نہیں، البتہ شدتِ مرض کی روایت ”مدارجُ النبوة“ (2704-707)، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) میں ہے۔ یہود کو آنحضرت ﷺ کے شدتِ مرض سے خوشی ہونا بالکل ظاہر اور ان کی عداوت و شقاوت کا تقاضا ہے۔

(الف) مسلمانوں کا اس دن مٹھائی تقسیم کرنا نہ شدتِ مرض کی خوشی میں [ہوتا] ہے، نہ یہود کی موافقت کی خاطر [ہوتا] ہے، نہ ان کو اس روایت کہ خبر ہے، نہ یہ فی نفسی کفر و شرک ہے، اس لیے ان حالات میں کفر و شرک کا حکم نہ ہو گا۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ یہ طریقہ غلط ہے، اس سے بچنا لازم ہے، حضور اکرم ﷺ کا اس روز غسلِ صحت [کرنا] ثابت نہیں ہے [آپ ﷺ کی طرف] کوئی غلط بات منسوب کرنا سختِ معصیت ہے [نیز] بغیرِ نیتِ موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

(ب) نہایت نرمی و شفقت سے کارخانہ دار اپنے کاریگروں کو بہت پہلے سے تبلیغ و فہمائش کرتا رہے اور اصل حقیقت اس کے ذہن میں اتار دے، ان کا مٹھائی کا مطالبہ کسی دوسری تاریخ میں حُسنِ اُسلوب سے پورا کر دے، مثلاً: رمضان، عید [الفطر]، بقر عید وغیرہ کے موقع پر دے دیا کرے، جس سے ان کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ بخل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، بہر حال کارخانہ دار بڑی حد تک معذور ہے۔

(ج) مدارجُ النبوة میں ہے۔ (2704-707)، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

(د) یہود نے کس طرح خوشی منائی؟ اس کی تفصیل نہیں معلوم۔

(فتاویٰ محمودیہ، باب البدعات والرسوم: 2803، ادارہ الفاروق، جامعہ فاروقیہ کراچی)

صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا:

سوال: ماہِ صفر کے آخری بدھ کو بہترین کھانا پکانا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہِ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم ﷺ کو مرض سے شفاء ہوئی تھی، اس خوشی میں کھانا پکانا چاہیے، یہ درست ہے یا نہیں؟ مینواتو جروا

الجواب: یہ غلط اور من گھڑت عقیدہ ہے، اس لیے ناجائز اور گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(احسن الفتاویٰ، کتاب الایمان والعقائد، باب فی رد البدعات: 1360، ایچ ایم سعید)

چُری کے بارے میں دلائل غلط اور من گھڑت ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین، مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صفر کے آخری بدھ کو جو چُری کی جاتی ہے، اسکے جواز میں دو دلائل پیش کیے جاتے ہیں: (۱) نبی اکرم ﷺ اس صفر کے مہینے میں بیمار ہوئے تھے، پھر جب اس مہینے میں صحت یاب ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شکریہ میں خیرات و صدقہ کیا ہے۔

(۲) حضور ﷺ جب اس مہینے میں بیمار ہوئے، تو یہود نے اس کی خوشی ظاہر کرنے کے لیے اس مہینے میں خیرات کیا اور خوشی منائی، لہذا ہم جو یہ خیرات کرتے ہیں یا تو اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خیرات کی تھی یا یہود کے مقابلے میں کہ جو انہوں نے خوشی منائی تھی، ہم قصداً ان سے مقابلے میں تشکرِ نعمت کے لیے کرتے ہیں، لہذا علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ یہ دلائل صحیح ہیں یا غلط؟

الجواب: ثواب کی نیت سے چُری کرنا بدعتِ سیئہ ہے، کیوں کہ غیر سنت کو سنت قرار دینا غیر دین کو دین قرار دینا ہے، جو کہ بدعت ہے، ان مجوزین کے لیے ضروری ہے کہ ان احادیثِ مذکورہ کی سند ذکر کریں اور یا ایسی کتاب کا حوالہ دیں جو کہ سند احادیث کو ذکر کرتی ہو یا کم از کم کتب فقہ متداولہ کا حوالہ ذکر کریں، ولن یأتوا بہا ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً مزید بریں! یہ کہ حاکم نے روایت کی ہے کہ پیغمبر ﷺ آخری چہار شنبہ کو بیمار ہوئے، یعنی بیماری نے شدت اختیار کی اور تاریخ میں یہ مسطور ہے کہ یہود نے اس دن خوشی منائی اور دعوتیں تیار کیں اور یہ ثابت نہیں کہ اہل اسلام نے اس کے مقابل کوئی کاروائی کی۔

(فتاویٰ فریدیہ، کتاب السنۃ والہدۃ، 1298)

صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت:

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ ماہ صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ کو مرض سے شفاء ہوئی تھی اور اس دن بلائیں اوپر چلی جاتی ہیں، اس لیے اس دن خوشیاں مناتے ہوئے شیرینی تقسیم کرنی چاہیے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہ صفر میں اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ماہ صفر المظفر کو منحوس سمجھنا خلاف اسلام عقیدہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے، اس ماہ مبارک میں نہ تو آسمان سے بلائیں اترتی ہیں اور نہ اس کے آخری بدھ کو اوپر جاتی ہیں اور نہ ہی امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اس دن مرض سے شفاء یابی ہوئی تھی، بلکہ مورخین نے لکھا ہے کہ 28 صفر کو آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے تھے، لہذا قال العلامة مفتی عبد الرحیم: ”مسلمانوں کے لیے آخری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔“ (شمس التواریخ: 2108)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۸۲ صفر کو چہار شنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت ﷺ کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لیے تو خوشی کا ہے ہی نہیں، البتہ! یہود وغیرہ کے لیے شادمانی کا دن ہو سکتا ہے، اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا، خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ میں تعظیم کرنا، یہ تمام باتیں خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔“

(فتاویٰ حقانیہ، کتاب البدع والرسوم: 284، جامعہ دارالعلوم حقانیہ)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی تالیف ”سیرۃ المصطفیٰ“ میں لکھتے

ہیں: ”ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ﷺ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ”ابو

مویہبہ“ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لیے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعتاً مزاج ناساز ہو گیا، سر درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔ یہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا۔“

(سیرت مصطفیٰ ﷺ، علالت کی ابتداء: 3156، کتب خانہ مظہری، کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”28 صفر ۱۱ ہجری چہار شنبہ [بدھ] کی رات آپ ﷺ قبرستان بقیع غرقہ میں تشریف لے جا کر اہل قبور کے لیے دعاء مغفرت کی اور فرمایا: اے اہل مقابر تمہیں اپنا حال اور قبروں کا قیام مبارک ہو، کیوں کہ اب دنیا میں تاریک فتنے ٹوٹ پڑے ہیں، وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہو گیا اور بخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہو گئی۔“

(سیرت خاتم الانبیاء، ص: 126)

آخری بات:

اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق ”مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتُهُ بِالْحِجَّةِ“ والی روایت ثابت نہیں ہے، بلکہ موضوع اور من گھڑت ہے، اس کو بیان کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن و عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ نیز! ماہ صفر کے آخری بدھ کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس دن نبی اکرم ﷺ کو بیماری سے شفاء ملنے والی بات بھی جھوٹی اور دشمنان اسلام یہودیوں کی پھیلائی ہوئی ہے، اس دن تو معتبر روایات کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی بیماری کی ابتداء ہوئی تھی نہ کہ شفاء۔ لہذا ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خود بھی اس طرح کے توہمات و منکرات سے بچیں اور حتیٰ الوسع دوسروں کو بھی اس طرح کی خرافات سے بچانے کی کوشش کریں۔

متکلم اسلام کا دورہ ملائیشیا

..... مولانا محمد کلیم اللہ حنفی حفظہ اللہ

چند دن پہلے متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھسن حفظہ اللہ امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعت مسلک کی اشاعت و تحفظ کے حوالے سے ملائیشیا، سنگاپور اور دبئی، ابو ظہبی تشریف لے گئے۔ اپنے اس مسلکی دورے میں چند دن ملائیشیا بھی قیام کیا، راقم الحروف نے حضرت الاستاذ سے ملائیشیا سفر نامے کی کچھ ترتیب پوچھی اور کچھ وہاں کے مقامی حضرات نے ہمیں کارگزاری پہنچائی، جس آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ملائیشیا قبعہ کے لحاظ سے 67 واں بڑا ملک ہے۔ مغرب میں اس کی زمینی سرحد تھائی لینڈ کے ساتھ ملتی ہے جبکہ انڈونیشیا اور برونائی دارالسلام اس کے مشرق میں واقع ہیں، جنوب میں براستہ پل سنگاپور سے منسلک ہے۔ ویٹنام کے ساتھ اس کی سمندری حدود ہیں۔ ملائیشیا کے دو جدا حصے ہیں جن کے درمیان جنوبی چین سمندر ہے۔

ملائیشیا ایک کثیر نسلی، کثیر ثقافتی سماج ہے۔ سب سے پہلے اس علاقے میں رہنے دیسی قبائل کے لوگ تھے جو کہ اب بھی موجود ہیں۔ چینی اور بھارتی ثقافتی اثرات یہاں واضح نظر آتے ہیں، دیگر ثقافتی اثرات میں فارسی، عربی، اور برطانوی ثقافتیں شامل ہیں۔ 1971 میں حکومت نے ایک "قومی ثقافتی پالیسی" بنائی جس کے مطابق ملائیشیا کی ثقافت کی بنیاد مقامی ہو جس میں اسلامی ثقافت کی جھلک نظر آتی ہو۔ ملائیشیا کا آئین مذہب کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے جبکہ اسلام سرکاری مذہب ہے۔

1981ء میں ملائیشیا کا شمار تیسری دنیا کے پسماندہ ترین ممالک میں ہوا کرتا

تھا۔ وہاں کے لوگ خط غربت کے نیچے زندگی گزار رہے تھے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی سال ملائیشیا کو مہاتیر محمد جیسا محنتی لیڈر اور حکمران مل گیا۔ جن کی انتھک جدوجہد کی بدولت صرف دو دہائیوں کے بعد ملائیشیا کا شمار پہلی دنیا میں ہونے لگا۔ اب وہ ایک ایسا ملک بن گیا ہے جو معیشت، سرمایہ کاری اور صنعت و حرفت میں یورپ اور امریکہ کا مقابلہ کرنے لگا ہے۔

مذہبی حوالے سے بھی ملائیشیا میں اسلام پسند لوگوں کی کثرت ہے۔ بڑے بڑے تبلیغی مراکز، مدارس دینیہ، مساجد و مکاتب ملائشین مسلمانوں کی اسلام سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہاں کے اکثر مسلمان امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کے پیروکار اور ان کی فقہ پر عمل پیرا ہیں۔

چونکہ وہ ہمارے مقلد بھائی ہیں اس لیے ان سے ملاقات کی غرض سے حضرت الاستاذ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ ملائیشیا، سنگاپور تشریف لے گئے اور وہاں مختلف دینی مدارس و مکاتب، جامعات، تبلیغی مراکز، مساجد، پبلک مقامات اور بعض عصری تعلیمی اداروں میں مسلک اہل السنۃ والجماعت کے عقائد و مسائل اور نظریات کی اشاعت و تحفظ کے حوالے سے حضرت الاستاذ کی سرپرستی میں تحقیق المسائل کو رسد کا انعقاد ہوا، آپ نے متعدد عنوانات پر علماء، طلباء اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو اسباق پڑھائے، بیانات کیے، مجالس ذکر کا اہتمام کیا، خلق خدا کو چاروں سلاسل میں بیعت فرمایا اور وہاں کے جید علماء کرام سے مسلک اہل السنۃ والجماعت کی اشاعت و تحفظ کے حوالے سے تفصیلی مشاورت کی۔

حضرت الاستاذ کے مسلکی دورے کی چند جھلکیاں آپ کے ذوق کی نذر کرنے

لگے ہیں۔

27/10/2014: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھسن حفظہ اللہ سنگاپور سے بذریعہ بس شام تقریباً 5:30 پر ملائیشیا تشریف آوری ہوئی جہاں پر درج ذیل علماء کرام نے آپ کا خیر مقدم کیا۔

☆ مولانا محمد یوسف قاسمی (فاضل دیوبند انڈیا)

☆ مولانا محمد بلال (فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد، پاکستان)

☆ مولانا محمد شہزاد (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور، پاکستان)

بعد ازاں آپ کو مدرسہ الفریدیہ سری رمپائی کوالا الپور لے کر گئے، جہاں آپ نے نماز مغرب باجماعت ادا فرمائی۔

نوٹ: حضرت الاستاذ کی میزبانی کا شرف مدرسہ الفریدیہ کے منتظمین، محترم محمد شہزاد اور محترم بھائی عبدالحمید کے دولت کدہ کو حاصل ہوا۔

28/10/2014: نماز فجر مدرسہ الفریدیہ ہی میں ادا فرمائی اور نماز کے متصل بعد مجلس ذکر ہوئی جس میں مدرسہ کے صدر مہتمم اور اساتذہ اور طلباء اور نمازی حضرات نے بھرپور شرکت فرمائی۔

28/10/2014: نماز ظہر کی نماز بعد علماء کرام کی مشاورت سے تحقیق المسائل کو رسز اور بیانات وغیرہ کا شیڈول ترتیب دیا گیا۔

28/10/2014: نماز عشاء کے بعد مسجد پاکستان (ملائیشیا پاکستانی کمیونٹی کے انڈر) میں بیان فرمایا۔ ملائیشین زبان میں ترجمہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔

29/10/2014: بعد از نماز فجر مجلس ذکر اور درس قرآن ہوا، بعد ازاں

جزیرہ پلاؤ پینانگ میں علماء کرام سے مسلکی کام کے فروغ دینے کے بارے تفصیلی مشاورت ہوئی۔ بعد میں مدرسہ مفتاح العرفان کے علماء اور طلباء سے بیان فرمایا اور

تحقیق المسائل کے عنوان سے تربیتی ورکشاپ میں مسلک اہل السنۃ والجماعت کی حقانیت، شوافع اور منکرین فقہ (غیر مقلدین) میں بنیادی فرق بیان کیا۔ بیان کے بعد ملائیشیا کی عظیم سیاسی و سماجی شخصیت رئیس داتو جواہر علی کی دعوت پر ان کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ داتو جواہر علی کے ہمراہ ان دوست جناب خلیل احمد سے بھی وہیں ملاقات ہوئی۔ رات کا قیام مدرسہ مفتاح العرفان میں تھا جہاں مدرسہ کے اساتذہ کے ساتھ ایک مجلس علمی کا اہتمام کیا گیا۔

30/10/2014: صبح درجہ سادسہ اور موقوف علیہ کے طلباء کو حضرت الاستاذ نے تقلید اور منکرین تقلید، غیر مقلدیت اور شوافع کے درمیان فرق اور مسئلہ استواء علی العرش کے موضوع سبق پڑھایا اور مخالفین کے اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات سمجھائے۔

30/10/2014: جزیرہ کے ایک مشہور مدرسہ دار الفرقان میں علماء سے مشاورت کی اور مقامی علماء کرام کو مسلکی کام کی ترتیب سمجھائی۔

30/10/2014: ظہر کی نماز کے صوبہ الوسٹار کے شہر جندا کے ایک مشہور مدرسہ میں بیان کے لیے تشریف لے گئے۔

30/10/2014: صوبہ الوسٹار کے دوسرے شہر کوالا کتیل کے مدرسہ تحفیظ النعیم میں طلباء سے بیان فرمایا بعد ازاں مدرسہ کے صدر محترم جناب حاجی طالب صاحب (ر) جنرل انسپٹر محکمہ پولیس سے تفصیلی ملاقات کی۔

30/10/2014: حضرت مولانا محمد طاہر (حضرت الاستاذ کے شاگرد ہیں) اور ملائیشیاء کے اکثر سفر میں حضرت کے خادم بھی رہے ہیں) کے گھر پر رات کا قیام کیا اور فجر کی نماز کے بعد ان کے مدرسہ مظاہر العلوم میں درس قرآن ارشاد فرمایا۔

31/10/2014: مرکز سمری پٹانک ملائیشیا تبلیغی مرکز میں حضرت

الاستاذ سے علماء کے ایک بڑے وفد سے ملاقات کی اور تقلید کی شرعی حیثیت، فقہ شافعی اور غیر مقلدیت میں فرق اور اجتہاد کی حقیقت اور اہمیت پر تفصیلی بیان فرمایا اس موقع پر مولانا عبد الحمید، مولانا محمد منصور، مولانا زلیف، مولانا محمد اسماعیل، مولانا امیر حمزہ، ودیگر اساتذہ نے شرکت کی۔ بعد میں ملائیشیا کے وزیر برائے مذہبی امور کے نائب ڈائریکٹر محمد شعاری کے ساتھ ان کے آفس میں میٹنگ ہوئی۔

31/10/2014: مسجد پاکستان میں جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرماتے

ہوئے شان مصطفیٰ، شان صحابہ و اہل بیت پر روشنی ڈالی۔

31/10/2014: مولانا امجد عباس (فاضل جامعۃ الحسنین فیصل آباد،

پاکستان) کے مدرسے میں علماء، اساتذہ اور طلباء میں بیان فرمایا۔

31/10/2014: سٹی ون پلازہ میں اردو خواں حضرات علماء و اراکین

سے خصوصی مشاورتی اجلاس ہوا جس میں مولانا محمد صاحب بنگالی، مولانا محمد جمال، مفتی رئیس احمد محترم جناب شمیز صاحب، جناب محمد شاہد اور جناب عبدالکریم و دیگر حضرات نے شرکت کی۔

1/11/2014: یونیورسٹی ملایہ کوالا الپور ملائیشیا کے ماسٹر ڈگری اور

P,H,D کے سٹوڈنٹس سے میں بیان فرمایا۔ شام کو مدرسہ الفریدیہ میں افطار پارٹی میں شرکت فرمائی اور بعد نماز مغرب محبت الہی کے تقاضے کے موضوع پر بیان ہوا اور مجلس ذکر بھی ہوئی بعد میں لوگ کافی تعداد میں آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی ہوئے۔

2/11/2014: بعد نماز عشاء علاقے کے معززین سیاسی و سماجی رہنما

اور علماء آپ کو ایئر پورٹ الوداع کرنے آئے۔

تذکرۃ الفقہاء: مولانا محمد عاطف معاویہ حفظہ اللہ

امام ابراہیم بن یزید النخعی رحمہ اللہ

ایک مرتبہ هشام بن عبد الملک نے عطاء بن سائب سے مختلف شہروں کے مجتہدین و فقہاء کے متعلق سوال کرتے ہوئے پوچھا فمن فقیہ اهل الکوفۃ؟ اهل کوفہ کے فقیہ کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا ابراہیم نخعی (الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ ج 1 ص 43)

آپ کا نام ابراہیم کنیت ابو عمران ہے نسب نامہ یہ ہے ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود بن عمرو بن ربیعۃ بن ذهل النخعی ابو عمران الکوفی الفقیہ (تہذیب التہذیب ج 1 ص 155)

باکمال صحبت:

کہتے ہیں گھر کا ماحول انسان کی زندگی پر گہرا اثر چھوڑتا ہے اگر اس لحاظ سے آپ کے گھر انہ کو دیکھا جائے تو وہ علم و عمل کا گہوارہ تھا آپ کو وقت کے دو عظیم بزرگ، اپنے وقت کے محدث و فقیہ یعنی حضرت علقمہ اور حضرت اسود رحمہما اللہ کی صحبت نصیب ہوئی ان میں ایک آپ کے چچا اور دوسرے ماموں تھے گویا ان حضرات نے امام ابراہیم کی جسمانی اور روحانی پرورش کر کے آپ کو علم کی دنیا میں اس مقام تک پہنچایا کہ دنیا ہمیشہ آپ کو یاد کرے گی۔

اسی طرح حضرت علقمہ اور حضرت اسود کی صحبت کی برکت سے امام ابراہیم کو اس عہد کی بڑی بڑی ممتاز ہستیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا؛ چنانچہ بچپن میں وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، ابو معشر فرماتے ہیں کہ امام ابراہیم

نخعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج یعنی حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اس پر ایوب نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بچپن میں اپنے چچا اور ماموں علقمہ اور اسود کے ساتھ حج کو جاتے تھے اور وہ دونوں ام المومنین حضرت عائشہ سے عقیدت کی وجہ سے اُن کی علمی مجلس میں آتے رہتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج 6 ص 270)

اگرچہ حضرت عائشہ سے امام ابراہیم کا سماع ثابت نہیں ہے، لیکن ان کی جیسی برگزیدہ ہستیوں کی مجلس میں شریک ہو جانا ہی حصولِ برکت و سعادت کے لیے کافی تھا۔

علمی فضل و کمال:

اہل علم و عمل کے فیضِ صحبت نے امام ابراہیم کا دامنِ دولتِ علم سے مالا مال کر دیا تھا اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ آپ حضرت علقمہ اور حضرت اسود کے واسطے سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علمی وارث بنے تو بہتر ہو گا۔

امام نووی فرماتے ہیں "وأجمعوا علی توثیقہ و جلالۃ و براعتہ فی الفقہ" ان کی توثیقِ جلال و اور فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔

(تہذیب الاسماء ج 1 ص 142)

سیدنا سعید بن جبیر کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے کے لیے آتا تو اس سے فرماتے "أستفتونی وفیکم ابراہیم" ابراہیم کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو؟

(الطبقات الکبریٰ ج 6 ص 270)

حضرت ابو وائل کے پاس جب کوئی سائل آکر مسئلہ پوچھتا تو اسے فرماتے
اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ فَسَلَهُ ثُمَّ اَتْتَنِي فَاَخْبَرَنِي مَا قَالَتْ لَكَ

ابراہیم کے پاس جاؤ ان سے مسئلہ دریافت کرو اور وہ جو جواب دیں مجھے بھی
بتانا۔

چند فقہی مسائل:

1: اہل السنۃ والجماعت احناف کے نزدیک جس طرح اذان میں کلمات دودو
مرتبہ ادا کئے جاتے ہیں اسی طرح اقامت میں بھی کلمات دودو مرتبہ ادا کرنے چاہئے
اس پر کئی احادیث بطور دلیل کے موجود ہیں حضرت امام ابراہیم نخعی کا موقف بھی اس
مسئلہ میں یہی تھا "عَنِ الْحَكَمِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَا تَدْعُ اَنْ تُتْلِيَ الْاِقَامَةَ"

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 206 رقم الحدیث 2153)

کلمات اقامت کو دو مرتبہ کہنا کبھی مت چھوڑنا۔

2: دلائل صحیحہ و قویہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز فجر اسفار میں ادا کرنا
افضل ہے۔ امام نخعی رحمہ اللہ کے بقول اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع ہے "عَنْ
حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ مَا اَجْمَعَ اصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مَّا
اَجْمَعُوا عَلَى التَّنْوِيْرِ بِالْفَجْرِ" (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 322 رقم الحدیث 3275)
فجر کی نماز روشنی میں ادا کرنے پر صحابہ کا مضبوط ترین اجماع ہے۔

3: شریعت مطہرہ میں امامت کی شرائط میں سے ایک شرط امام کا بالغ ہونا بھی
ہے نابالغ کی امامت درست نہیں حضرت امام ابراہیم نخعی نابالغ کی امامت کو مکروہ
فرماتے ہیں "عن مغيرة عن ابراهيم انه كره ان يؤم الغلام حتى يحتلم"

(مصنف عبد الرزاق ج 2 ص 398 رقم الحدیث 3846)

امام معمر بن راشد الازدی البصری

نام و نسب:

نام ”معمر“ اور کنیت ”ابو عروہ“ تھی۔ والد گرامی کا نام ”راشد“ تھا۔ سلسلہ نسب یوں ہے: أبو عروہ معمر بن أبی عمرو راشد بن أبی راشد الأزدي البصري۔

(شذرات الذہب: ج 1 ص 383)

تقریباً تمام محدثین نے آپ کے والد کی کنیت ”ابو عمرو“ جبکہ علامہ سماعی (ت 562ھ) نے ”ابو عمر“ لکھی ہے۔ واللہ اعلم (الانساب: ج 5 ص 315)

نسبت الازدی الحدانی:

مؤرخین نے آپ کی نسبت ”الازدی الحدانی“ لکھی ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ آپ بصرہ کے ایک شخص عبد السلام بن عبد القدوس الازدی الحدانی کے غلام تھے۔ موصوف عبد السلام کو خود عبد الرحمن بن قیس الازدی سے نسبت ولاء حاصل تھی۔ (تہذیب الکمال: ج 10 ص 20)

عبد الرحمن بن قیس کا تعلق قبیلہ ”ازد“ کی ایک شاخ ”حدان“ سے تھا۔ اس نسبت ”الحدانی“ کے متعلق امام ابوالحسن الجزری (م 630ھ) لکھتے ہیں:

هذه النسبة إلى حدان وهم بطن من الأزد..... وقد يُنسب إلى محلة بالبصرة يقال لها حدان نزلها هذا البطن فنُسبت إليهم۔

(اللباب فی تہذیب الانساب: ج 1 ص 347)

ترجمہ: ”حدانی“ ازد قبیلہ کی ایک شاخ ”حدان“ کی طرف نسبت کی وجہ سے کہا جاتا

ہے۔ بصرہ میں ایک محلہ کو بھی اسی نسبت کی وجہ سے ”حدانی“ کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں یہ شاخ (حدان) آکر آباد ہوئی تھی۔

اسی بالواسطہ نسبت کی وجہ سے معمر بھی ”الازدی الحدانی“ مشہور ہوئے۔

ولادت باسعادت:

آپ سن 95ھ یا 96ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ (السیر: ج 6 ص 3)

تحصیل علم:

بچپن کا زمانہ بصرہ میں گزرا۔ غلامی کی زندگی اور آقاؤں کے رحم و کرم پر پلنے والا آدمی علم کی طرف بھی متوجہ ہوا اور اس کے حصول کے لیے ہمہ وقت تیار بھی رہے، یہ وصف ابن راشد میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ خداداد صلاحیتوں اور فطری استعداد نے بچپن میں ہی آپ کو طلب علم کا خوگر بنا دیا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (ت 241ھ) فرماتے ہیں:

كان من أطلب أهل زمانه للعلم. (تہذیب التہذیب: ج 6 ص 363)

کہ معمر اپنے عہد کے علماء میں سب سے زیادہ علم حاصل کرنے والے تھے۔

آپ کا اپنا بیان ہے:

خرجت وأنا غلام إلى جنازة الحسن، وطلب العلم سنة مات الحسن.

(سیر اعلام النبلاء: ج 6 ص 4)

کہ میں اس وقت لڑکا تھا جب حسن بصری کے جنازہ میں شریک ہوا تھا، میں نے علم حاصل کرنا اسی سال شروع کیا تھا جس سال حسن بصری کی وفات کا سانحہ پیش آیا تھا۔

امام حسن بصری کی وفات سن 110ھ میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے امام

معمر نے 14 یا 15 سال کی عمر میں تحصیل علم کی ابتداء کی تھی۔

طلب حدیث کے لیے بصرہ میں امام قتادہ (ت 118ھ) کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے۔ اس وقت آپ کی عمر 14 سال تھی۔ اس کم سنی کے باوجود جو کچھ آپ نے اپنے شیخ سے حاصل کیا تھا وہ آخر عمر تک مستحضر رہا۔ آپ کا اپنا بیان ہے:

سَمِعْتُ مِنْ قَتَادَةَ وَلِي أَرْبَعِ عَشْرَةَ سَنَةً فَمَا سَمِعْتُهُ إِذْ ذَاكَ كَأَنَّهُ مَكْتُوبٌ فِي صَدْرِي.

(تذکرۃ الحفاظ: ج 1 ص 142)

کہ میں نے امام قتادہ سے چودہ سال کی عمر میں حدیث کا سماع کیا تھا اور ان سے میں نے اس وقت جو کچھ سنا تھا وہ گویا میرے قلب پر نقش ہو گیا تھا۔

امام معمر نے حجاز کا سفر بھی کیا جہاں بڑے بڑے جہال علم سے حدیث نبوی کا سماع کیا خصوصاً ”رصاصہ“ میں حاضر ہو کر محدث وقت امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ ابن شہاب زہری (ت 125ھ) سے سماع کیا۔ عبد الواحد بن زیاد نے ایک بار معمر سے پوچھا کہ آپ نے امام زہری سے حدیث کیسے سنی؟ آپ نے جواب دیا:

كَنتُ مَمْلُوكًا لِقَوْمٍ مِنْ طَاحِيَةِ فَبَعَثُونِي بِدُرٍّ أَيْعُهُ، فَقَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَنَزَلْتُ دَارًا، فَرَأَيْتُ شَيْخًا وَالنَّاسَ يَعْرِضُونَ عَلَيْهِ الْعِلْمَ، فَعَرَضْتُ مَعَهُم.

(تذکرۃ الحفاظ: ج 1 ص 142)

کہ میں طاحیہ قبیلے کے بعض لوگوں کا غلام تھا۔ انہوں نے مجھے روئی سے بنے کپڑے دیے کہ میں انہیں بیچ کر آؤں۔ میں مدینہ میں آیا اور ایک مکان پر رہائش اختیار کی۔ وہاں میں نے ایک شیخ (امام زہری) کو دیکھا کہ لوگ ان کے ارد گرد جمع ہیں اور ان پر عرض حدیث کر رہے ہیں تو میں نے بھی (ان کے ساتھ مل کر) عرض حدیث کی۔

عرض حدیث بھی روایت حدیث کا ایک طریقہ ہے جس میں شاگرد اپنے شیخ کے سامنے حدیث پڑھتا ہے اور استاذ حدیث سن کر اجازت دیتا ہے۔

علم کے ساتھ لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ حصول علم کی خاطر یمن کی طرف سفر کرنے

میں اولیت کا سہرا آپ کے سر ہے۔ اس وقت صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے والے خصوصی شاگرد حضرت ہمام بن منبہ (ت 131ھ) کے علم کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ان کی علمی مجالس میں ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے زمزموں سے امام معمر پوری طرح مستفید ہوئے۔

(العبر فی خبر من غبر: ج 1 ص 115)

یمن میں مستقل رہائش:

جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ امام معمر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ پہلے محدث ہیں جنہوں نے یمن کے اکابر شیوخ سے اکتساب فیض کے لیے یمن کا رخ کیا۔ جب فارغ ہو کر اپنے مالوف وطن واپس جانے لگے تو اہل صنعاء جو آپ کے علم و فضل، حسن اخلاق اور زہد و تقویٰ کے نہ صرف یہ کہ معترف تھے بلکہ بے حد متاثر بھی تھے، آپ کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ اسی دوران ایک شخص نے اہل صنعاء کو بڑی دلچسپ رائے دی۔ علامہ ذہبی (ت 748ھ) کی زبانی سنئے:

فقال لهم رجل: قَبِّلُوهُ فَزَوْجُوهُ۔ (سیر اعلام النبلاء: ج 6 ص 5)

اس آدمی نے کہا: ان کو روکنے کی ترکیب یہ ہے کہ ان کو یہاں قید کر دیں (یعنی ان کا عقد یہیں کر دیں) چنانچہ ان لوگوں نے آپ کا نکاح وہیں کر دیا۔ اس طرح یمن ہی آپ کا وطن ثانی بن گیا۔

اہل علم کی نظر میں:

امام معمر بن راشد نے تحصیل علم میں جس محنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا اس کے نتیجے میں آپ کندن بن گئے تھے، آسمان دنیا نے دیکھا کہ زبانِ خلق نے آپ کو ”عالم الیمن“ کے لقب سے نوازا۔ (شذرات الذہب: ج 1 ص 383)

سلاطین علم و فن آپ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آئے۔ چند حضرات کی آراء درج ذیل ہیں:

[۱]: عبد الملک ابن جریج (ت 150ھ) اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے:
علیکم بمعبد فانہ لم یبق فی زمانہ أعلم منہ۔

(تذکرۃ الحفاظ: ج 1 ص 142)

کہ معمر کے فیض صحبت سے مستفید ہوا کرو کیونکہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں رہا۔

[۲]: امام علی بن المدینی (ت 234ھ) فرماتے ہیں:

جُمِعَ لِمَعْبِدٍ مِنَ الْإِسْنَادِ مَا لَمْ يُجْمَعْ لِأَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِهِ : أَيُّوبُ وَقَتَادَةُ
بِالْبَصْرَةِ ، وَأَبُو إِسْحَاقَ وَالْأَعْمَشُ بِالْكُوفَةِ ، وَالزَّهْرِيُّ وَعُمَرُو بْنُ دِينَارٍ بِالْحِجَازِ ، وَيَحْيَى
بْنُ أَبِي كَثِيرٍ ۔ (سیر اعلام النبلاء: ج 6 ص 5)

کہ معمر کو (ایسی عمدہ) اسناد کا شرف حاصل تھا جو آپ کے معاصرین میں سے کسی کو نہ تھا۔ چنانچہ بصرہ میں امام ایوب سختیانی اور امام قتادہ، کوفہ میں ابو اسحاق السبعی اور امام اعمش، حجاز میں امام زہری اور امام عمرو بن دینار جیسے اساتذہ اور امام یحییٰ بن کثیر جیسے شیوخ آپ کو میسر آئے۔

[۳]: امام احمد بن حنبل (ت 241ھ) فرماتے ہیں:

مَا أَضْمُّ أَحَدًا إِلَى مَعْبِدٍ إِلَّا وَجَدْتُ مَعْبِدًا أَطْلُبُ لِلْحَدِيثِ مِنْهُ ، هُوَ أَوَّلُ مَنْ رَحَلَ إِلَى الْيَمَنِ ۔ (سیر اعلام النبلاء: ج 6 ص 4)

کہ میں نے جس شخص کا بھی معمر سے تقابل کیا طلب حدیث میں معمر کو اس سے زیادہ مگن پایا، یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے حصول علم کے لیے یمن کا سفر کیا۔

علم حدیث میں خدمات:

علم حدیث اور اس کے متعلقہ فنون میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا، ہزاروں حدیثیں سند متن سمیت آپ کے دماغ میں محفوظ تھیں۔ صاحب مصنف امام عبدالرزاق صنعانی (ت 211ھ) کا بیان ہے:

کتبت عن معمرٍ عشرةً آلافٍ حدیثٍ۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج 1 ص 142)
کہ میں نے امام معمر سے دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔

کسی کی علمی خدمات کا پتا اس کے شیوخ اور شاگردوں سے چلتا ہے۔ اگر شیوخ عالی درجہ کے اور شاگرد بھی عظیم الشان مرتبہ کے ہوں تو اس سے اس محدث کی جلالت شان کا اندازہ خوب لگایا جاسکتا ہے۔ امام معمر کے شیوخ حدیث کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اکثر ان میں اکابر تابعین اور جید تبع تابعین ہیں۔ چنانچہ امام یافعی (ت 768ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (ت 852ھ) نے آپ کے اساتذہ کی جو فہرست دی ہے ان میں امام ابن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قتادہ بن دعامہ، عمرو بن دینار، یحییٰ بن کثیر، ہمام بن منبہ، ثابت البنانی، عاصم الاحول، ابواسحاق السبعی، ایوب السختیانی، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، عبداللہ بن طاؤس، سماک بن الفضل، اسماعیل بن علیہ، محمد بن المنکدر رحمہم اللہ کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اور خود معمر کے چشمہ فیض سے مستفید ہونے والوں میں سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، غندر، عبدالرزاق بن ہمام، سفیان بن عیینہ، ہشام بن یوسف، یزید بن زریج، سعید بن ابی عروبہ، ابن جریج، شعبہ بن الحجاج، عیسیٰ بن یونس، معتمر بن سلیمان، محمد بن ثور اور عبداللہ بن معاذ جیسے اصحاب فن کے نام نمایاں ہیں۔

یہاں یہ ذکر کرنا نہایت بجا معلوم ہوتا ہے کہ معمر کے شیوخ میں سے یحییٰ

بن کثیر، ابواسحاق سبعی، ایوب سختیانی اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ نے بھی تجربہ علم و فن کے باوجود خود معمر سے روایت کی ہے، جو معمر کے علوم مرتبت اور بلندی شان کی واضح دلیل ہے۔ (مرآۃ الجنان: ج 1 ص 323، تہذیب التہذیب: ج 6 ص 363)

علامہ ذہبی (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

معمر کی احادیث کتب ستہ، مسند احمد اور امام طبرانی کی معاجم میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ج 6 ص 7)

تعدیل و توثیق:

ائمہ جرح و تعدیل سے آپ کی تعدیل و توثیق ثابت ہے۔ چند حضرات کی آراء پیش خدمت ہیں:

❖ امام یحییٰ بن معین (ت 233ھ):

أثبت من روئى عن الزهري مالك بن أنس ومعه رثم عقيل والاوزاعي ويونس.

زہری سے روایت کرنے والوں میں اعلیٰ مقام کے امام مالک بن انس اور امام معمر ہیں، پھر امام اوزاعی اور امام یونس ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا: ثقہ۔ (تہذیب التہذیب: ج 6 ص 364)

معمر ثقہ آدمی ہے۔

❖ امام احمد بن حنبل (ت 241ھ):

كان من أطلب أهل زمانه للعلم.

معمر اپنے عہد کے علماء میں سب سے زیادہ علم حاصل کرنے والے تھے۔

❖ امام ابوالحسن عسکری (ت 261ھ):

(معرفۃ الثقات للعلی: ج 1 ص 435)

ثقة رجل صالح.

معمر ثقة اور نیک آدمی تھے۔

✽ امام عمرو بن علی الفلاس (ت 294ھ):

(التکمیل فی الجرح والتعديل: ج 1 ص 112)

معمر من أصدق الناس.

معمر سچے لوگوں میں سے تھے۔

✽ امام ابو عبد الرحمن نسائی (ت 303ھ):

(التکمیل فی الجرح والتعديل: ج 1 ص 112)

معمر الثقة المأمون.

معمر ثقة اور مامون ہیں۔

✽ امام ابو حاتم الرازی (ت 307ھ):

(میزان الاعتدال: ج 4 ص 362)

صالح الحديث.

آپ صالح الحدیث ہیں۔

✽ امام عبد الکریم سمعانی (ت 562ھ):

(الأنساب: ج 5 ص 315)

كان من ثقات العلماء.

آپ کا شمار ثقہ علماء میں ہوتا ہے۔

✽ علامہ شمس الدین ذہبی (ت 748ھ):

(تذکرۃ الحفاظ: ج 1 ص 142)

الإمام الحجة، الحافظ، شيخ الإسلام.

معمر امام، حجت، حافظ اور شیخ الاسلام تھے۔

✽ علامہ خیر الدین زرکلی (ت 1396ھ):

(الأعلام: ج 7 ص 272)

فقيه، حافظ للحديث، متقن، ثقة.

آپ فقیہ، حدیث کے حافظ، پختہ کار اور ثقہ تھے۔

تنبیہ:

مذکورہ حوالہ جات سے امام معمر کی تعدیل و توثیق ثابت ہوتی ہے، لیکن بایں ہمہ جب آپ یمن سے بصرہ اپنی والدہ سے ملنے آئے تھے تو وہاں احادیث اپنے حافظے سے بیان کیں، کتاب آپ کے پاس موجود نہ تھی۔ اس لیے محققین کے ہاں ان احادیث میں اغلاط پائی جاتی ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

ومع كون معمر ثقة ثبتا، فله أوهام، لا سيما لما قدم البصرة لزيارة أمه، فإنه لم يكن معه كتبه، فحدث من حفظه، فوقع للبصريين عنه أغاليط، وحديث هشام وعبد الرزاق عنه أصح، لانهم أخذوا عنه من كتبه.

(سير اعلام النبلاء: ج 6 ص 7)

ترجمہ: معمر اگرچہ ثقہ ہیں لیکن روایت حدیث میں ان کے اوہام ہیں، خاص طور پر جب آپ بصرہ اپنی والدہ سے ملنے آئے تو آپ کے پاس اپنی کتب موجود نہ تھیں، آپ نے احادیث اپنے حافظے سے بیان کیں، اس سے اہل بصرہ کو آپ کی روایات میں کافی اغلاط کا سامنا کرنا پڑا، البتہ امام هشام اور امام عبد الرزاق نے جو روایات آپ سے لی ہیں وہ اصح ہیں کیونکہ انہوں نے آپ کی کتب کے ذریعے آپ سے روایات لی ہیں۔

اس لیے آپ کی ان احادیث کی تحقیق و تفتیش ضروری ہے جو اہل بصرہ سے مروی ہوتی ہیں۔ قرآن صحت اور دیگر مؤیدات اگر موجود ہوں جو ان روایات کی صحت پر دال ہوں تو ان روایات کو لیا جاسکے گا۔

تقویٰ واستغناء:

۱: محدث عبد الرزاق صنعانی (ت 211ھ) کہتے ہیں کہ معمر کو گھر میں میوہ پیش کیا گیا۔ آپ نے تناول فرمایا۔ کھانے کے بعد آپ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا

تھا؟ گھر والوں نے بتایا کہ فلاں نوحہ کرنے والی عورت کی طرف سے آیا ہے۔ آپ نے فوراً قے کر کے اسے نکال دیا۔
(سیر اعلام النبلاء: ج 6 ص 6)

۲: ایک بار والی یمن نے انہیں کچھ سونا بطور ہدیہ بھیجا، معمر نے اسے فوراً واپس کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اپنی شریک حیات کو سختی سے تنبیہ بھی فرمادی کہ اگر تم نے کسی کو یہ بات بتائی، تو میرا اور تمہارا اکٹھے رہنا مشکل ہو جائے گا۔ (ایضاً)
اس واقعہ میں جہاں آپ کی شانِ استغناء نمایاں ہوتی ہے وہیں عملِ خیر کے اخفاء کا عالم بھی واضح ہوتا ہے جو آپ کے زاہد و متقی ہونے کی دلیل ہے۔

وفات حسرت آیات:

رمضان المبارک 153ھ میں علم و عمل کا آفتاب غروب ہو گیا۔
(العبر فی خبر من غبر: ج 1 ص 115)
بوقتِ وفات عمر مبارک 58 سال تھی۔ (تہذیب التہذیب: ج 6 ص 364)

مؤلفات:

آپ سے روایت کرنے والے شاگردوں نے آپ کی سینکڑوں روایات اپنی کتب میں جمع فرمائی ہیں، لیکن بایں ہمہ آپ نے خود بھی میدانِ تالیف کو خالی نہ چھوڑا بلکہ شاگردوں کی ایک بہت بڑی کھیپ تیار کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ تالیفات بھی یادگار چھوڑی ہیں۔

[۱]: کتاب المغازی

علامہ ابن ندیم نے اس کا تذکرہ آپ کی تصنیف کے طور پر کیا ہے۔
(الفہرست: ج 1 ص 123)

ویکیپیڈیا کی معلومات کے مطابق اس کتاب کو بعض محققین نے امریکہ سے

شائع کیا ہے۔ اس کے منہج اور اسلوب کو بیان کرتے ہوئے یہ محققین رقمطراز ہیں:

”معمرنے اس کتاب کو اس طرز پر نہیں لکھا جس طرز کو ان کے معاصر علماء نے اپنایا تھا بلکہ انہوں نے اسے محدثین کے طرز پر لکھا ہے جو ترتیب کتاب میں موضوع کے اعتبار سے روایات لاتے ہیں۔“ (تطور کتاب السیرۃ النبویہ: ج 1 ص 79)

[۲]: الجامع للسنن: اس کتاب کا تذکرہ علامہ کتانی اور علامہ عبدالحی العکری نے کیا ہے۔ (الرسالۃ المستطرفۃ للکتانی: ج 1 ص 9، شذرات الذہب: ج 1 ص 235)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ معمر کی اس کتاب ”الجامع“ کے تین اجزاء مجھے ملے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ج 6 ص 7)

آج کل مصنف عبد الرزاق کے آخر میں یہ کتاب ”الجامع“ ملحق ہو کر شائع ہو رہی ہے جو آخر کتاب تک جاتی ہے لیکن ”المصنف“ کے محقق نے اس جانب کوئی اشارہ نہیں کیا البتہ احادیث سے شغف رکھنے والا آدمی اس آخری جزء کے مطالعہ کے بعد اس بات کو بخوبی جان سکتا ہے کہ یہ امام معمر کی ”الجامع“ ہی ہے۔

جج و عمرہ سروس
کورنٹ لائنز شہر
LHR-4005



نمایاں خصوصیات

تمام ایئر لائنز کی اندرون
اور بیرون ممالک کیلئے
ٹکٹ کنفرم کروائیں

عمرہ کی بکنگ
جاری ہے

فیصل آباد

خصوصی پیشکش ویزہ اور ٹکٹ
کنفرم ہونے کے
بعد رقم وصول کی جائے گی

فیصل پلازہ گلبرگ چوک میانوالی شہر

0300-6025553/0321-6350553/0459-236553

آفس

شریعت اسلامیہ میں نماز کی قضاء کا حکم

کھ..... مولانا مفتی محمد نجیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

علماء امت کا اتفاق ہے کہ فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ شریعت اسلامیہ میں زنا کرنے، چوری کرنے اور شراب پینے سے بھی بڑا گناہ نماز کا ترک کرنا ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہر نماز وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اور اگر کبھی کوئی نماز وقت پر ادا نہ کر سکے تو اسے پہلی فرصت میں پڑھنی چاہئے۔ ہماری اور ہمارے علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس بات کی کوشش و فکر کریں کہ امت مسلمہ کا ہر فرد وقت پر نماز کی ادائیگی کرنے والا بن جائے اور ہماری نمازیں خشوع و خضوع کے ساتھ ادا ہوں، کیونکہ اسی میں ہماری اور تمام انسانوں کی اخروی کامیابی مضمر ہے جیسا کہ خالق کائنات نے سورۃ المومنون میں بیان فرمایا ہے۔

نماز بالکل یہ نہ پڑھنے والوں یا صرف جمعہ و عیدین یا کبھی کبھی پڑھنے والوں کا قرآن و حدیث کی روشنی میں شرعی حکم کیا ہے، سعودی عرب کے مشہور عالم دین شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ نے اپنی کتاب حکم تارک الصلاة میں فقہاء و علماء کی مختلف آراء تحریر کی ہیں:

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص کافر ہے اور ملت اسلامیہ سے نکل جاتا ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اگر توبہ کر کے نماز کی پابندی نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ نماز کو چھوڑنے والا کافر تو نہیں، البتہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ حاکم وقت اس کو جیل میں ڈال دے گا اور وہ جیل ہی میں رہے گا یہاں تک کہ توبہ کر کے نماز شروع کر دے یا پھر وہیں مر جائے۔

قرآن و حدیث میں وارد نماز کی وقت پر ادائیگی کی خصوصی تاکید کے باوجود بعض مرتبہ نماز فوت ہو جاتی ہے، کبھی بھول سے، کبھی کوئی عذر لاحق ہونے کی بنا پر اور کبھی محض لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے۔ حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں جمہور فقہاء و علماء و محدثین و مفسرین کا اتفاق ہے کہ تمام فوت شدہ نماز کی قضا کرنی چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ نے متعدد مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر نماز وقت پر ادا نہ کر سکیں تو بعد میں اس کو پڑھیں، اختصار کے مد نظر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں وارد ایک حدیث ذکر کر رہا ہوں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے فوراً پڑھ لے، اس کا سوائے اس کے کوئی کفارہ نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے نماز قائم کرو میری یاد کے واسطے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بعض روایات میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں: جو شخص نماز کو بھول جائے یا اس کو چھوڑ کر سو جائے، اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے پڑھے۔ حدیث کی مشہور کتاب جامع الترمذی میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو بھی نماز کو بھول جائے یا اس سے سو جائے تو وہ جب بھی یاد آئے اس کو پڑھ لے۔

نوٹ: تاخیر سے سونے کی عادت بنا کر فجر کی نماز کے وقت سوتے رہنا گناہ کبیرہ

ہے۔ دیگر احادیث کی روشنی میں اس حدیث میں سوتے رہنے سے مراد یہ ہے کہ نماز وقت پر پڑھنے کے اسباب اختیار کئے مگر کسی دن اتفاق سے آنکھ نہ کھل سکی۔

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے بعض نمازیں وقت کے نکلنے کے بعد ادا فرمائی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ غزوہ خیبر سے واپس ہو رہے تھے، رات میں چلتے چلتے جب نیند کا غلبہ ہوا تو آپ ﷺ نے رات کے اخیر حصہ میں ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نگہبانی کے لئے متعین فرما کر آپ ﷺ لیٹ گئے اور صحابہ بھی سو گئے۔ جب صبح قریب ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ (تھکان کی وجہ سے) اپنی سواری سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، پس آپ پر نیند غالب ہوئی اور وہ بھی سو گئے اور سب حضرات ایسے سوئے کہ طلوع آفتاب تک نہ اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھ کھلی اور نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی، نہ کسی اور صحابی کی۔ جب سورج طلوع ہوا اور اس کی شعاعیں ان حضرات پر پڑیں تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور گھبرا کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اٹھایا۔ پھر صحابہ کرام کو آگے چلنے کا حکم دیا، صحابہ کرام اپنی سواریاں لے کر آگے بڑھے اور ایک جگہ حضور اکرم ﷺ نے وضو کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا جو نماز کو بھول جائے اس کو چاہئے کہ وہ یاد آنے پر اس کو پڑھ لے۔

(صحیح مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے دن آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں

اب تک عصر نہ پڑھ سکا حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی عصر نہیں پڑھی ہے۔ اللہ کے رسول نے وضو فرمایا، ہم نے بھی وضو فرمایا اور پھر غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ نے پہلے عصر پڑھی پھر اس کے بعد مغرب ادا فرمائی۔

(صحیح بخاری)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ کی ایک سے زیادہ نمازیں فوت ہوئی تھیں اور آپ ﷺ نے انہیں وقت نکلنے کے بعد پڑھا۔

مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہوا کہ اگر ایک یا ایک سے زیادہ نماز فوت ہو جائے تو فوت شدہ نمازوں کا پڑھنا لازم و ضروری ہے۔

تفصیلات کیلئے امام نوویؒ کی صحیح مسلم کی سب سے مشہور شرح شرح مسلم اور ابن حجر عسقلانیؒ کی صحیح بخاری کی سب سے مشہور شرح فتح الباری کا مطالعہ کریں۔

ہاں اس بھول یا عذر کی بناء پر وقت پر ادانہ کی گئی نماز کو ادا یا قضاء کا ٹاسٹل دینے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بھول یا عذر کی وجہ سے وقت پر نماز ادانہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہو گا ان شاء اللہ۔ لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز کو ترک کر دے تو یہ بڑا گناہ ہے اس کے لئے توبہ ضروری ہے۔ توبہ کے ساتھ جمہور علماء کی رائے ہے کہ اس کو نماز کی قضا بھی کرنی ہوگی۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں یہی رائے ہے کہ قصداً و عمداً نماز چھوڑنے پر بھی نماز کی قضا کرنی ہوگی۔ شیخ ابو بکر الزرعی (۱۹۶ھ-۱۵۷ھ) نے اپنی کتاب (الصلاة وحکم تارکھا) میں تحریر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ اس شخص پر بھی نماز

کی قضا واجب ہے جو قصد نماز کو چھوڑ دے مگر قضاء سے نماز چھوڑنے کا گناہ ختم نہ ہوگا بلکہ اسے نماز کی قضاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگنی ہوگی۔

علامہ قرطبیؒ (متوفی ۷۱۱ھ) نے اپنی مشہور و معروف تفسیر (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۸۷) میں لے ہی تحریر کیا ہے کہ جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے شخص پر قضاء واجب ہے، اگرچہ وہ گناہ گار بھی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر قضاء واجب ہے۔

غرضیکہ اگر کسی شخص کی ایک یا متعدد نمازیں قصداً و عمدہً اچھوٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ سے معافی کے ساتھ فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنی ضروری ہے، کیونکہ جمہور علماء حتیٰ کہ چاروں ائمہ نے حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں یہی کہا ہے، صرف زمانہ قدیم میں جناب داود ظاہری اور موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین نے اختلاف کیا ہے۔ اور جن بعض علماء نے نماز کے جان بوجھ کر ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے واجب نہ ہونے کا جو فیصلہ فرمایا ہے وہ اصل میں اس بنیاد پر ہے کہ ان کے نقطہ نظر میں جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اب جب کافر ہو گیا تو نماز کی قضاء کا معاملہ ہی نہیں رہا، لیکن جمہور علماء کی رائے ہے کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص کافر نہیں بلکہ فاسق یعنی گناہ گار ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے ورنہ عصر حاضر میں امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گی۔

صحیح مسلم کی سب سے مشہور شرح لکھنے والے اور ریاض الصالحین کے مصنف امام نوویؒ نے شرح مسلم میں تحریر کیا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو

شخص نماز کو عمد اترک کر دے اس پر قضاء لازم ہے۔ بعض علماء نے مخالفت کی ہے مگر بعض علماء کی یہ رائے اجماع کے خلاف ہونے کے ساتھ دلیل کے لحاظ سے بھی باطل ہے۔ نیز انہوں نے تحریر کیا ہے کہ بعض اہل ظاہر سب سے الگ ہو گئے اور کہا کہ بلا عذر چھوٹی ہوئی نماز کی قضاء واجب نہیں، اور انہوں نے یہ خیال و گمان کیا کہ نماز کا چھوڑنا اس سے بڑا گناہ ہے کہ قضاء کرنے کی وجہ سے اس کے وبال سے نکل جائے، مگر یہ قول کے قائل کی غلطی و جہالت ہے۔ (شرح مسلم)

علامہ عبدالحی حنفی لکھنویؒ (جنہوں نے صرف 40 سال کی عمر پائی اور تقریباً 80 کتابیں تحریر فرمائیں، جن کی علمی صلاحیتوں کو تمام مکاتب فکر نے تسلیم کیا ہے) تحریر کرتے ہیں کہ بعض اہل ظاہر سب سے الگ ہو گئے اور کہا کہ اپنے وقت میں نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنے والے پر ضروری نہیں کہ دوسرے وقت میں اس کو ادا کرے۔ (التعلیق المجد علی موطا للامام محمد ص ۷۲۱)

غور فرمائیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے بھولنے والے یا سونے والے پر بھی فوت شدہ نماز کی قضاء کو لازم کیا ہے، حالانکہ یہ دونوں گناہ گار نہیں ہیں تو جان بوجھ کر قضاء کرنے والے پر بدرجہ اولیٰ نماز قضاء ہونی چاہئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ (اپنے والدین کو اف نہ کہو) تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب والدین کو (اف) کہنا بھی جائز نہیں تو ان کو مارنا پیٹنا یا گالی دینا اور بھی برا اور سخت گناہ ہو گا۔ اسی طرح جب بھولنے اور سو جانے پر قضاء لازم کی گئی تو عمد اترک نماز پر قضاء اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے یا ایک عورت نے اللہ کے رسول سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس پر ایک ماہ کے روزے رہ گئے ہیں تو کیا میں

ان کی قضاء کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تیری ماں پر قرض ہو تا تو کیا تو اس کو ادا کرتا؟ اس نے کہا کہ ہاں میں ادا کرتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا قرض زیادہ مستحق ہے کہ اس کی ادائیگی کی جائے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد روزوں کی قضاء کے بارے میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ روزہ اور نماز میں فرض ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں بلکہ قرآن وحدیث میں نماز پڑھنے کی تاکید سب سے زیادہ وارد ہوئی ہے۔ لہذا جب روزے کی قضاء ہے تو نماز کی بھی قضاء ہونی چاہئے۔

نیز پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر رمضان کا روزہ ترک کر دے تو اس کی قضاء ضروری ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے استطاعت کے باوجود حج ادا نہیں کیا تو اس کے مرنے پر اس کے وارثین پر لازم ہے کہ وراثت کی تقسیم سے قبل اس کے ترکہ میں سے حج بدل کا انتظام کیا جائے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے قصداً متعدد سالوں سے زکوٰۃ ادا نہیں کی اور اب اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے تو اسے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ 1400 سال سے جمہور فقہاء و علماء و محدثین و مفسرین کی یہی رائے ہے کہ نماز کے فوت ہونے پر اس کی قضاء کرنی ضروری ہے خواہ بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے نماز فوت ہوئی ہو یا جان بوجھ کر نماز چھوڑی گئی ہو، ایک نماز فوت ہوئی ہو یا ایک سے زیادہ۔ مشہور و معروف چاروں ائمہ کی بھی حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں یہی رائے ہے۔ بھول جانے یا سو جانے کی صورت میں گناہ گار نہیں ہو گا مگر قضاء کرنی ہوگی اور قصداً نماز ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہوگی۔

جن علماء نے فرمایا ہے کہ قصداً نماز ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز کا موقف ہے، تو ان کا یہ قول کہ جان بوجھ کر چھوڑی گئی نماز کی قضاء نہیں ہے کسی حد تک سمجھ میں آتا ہے اگرچہ قصد نماز چھوڑنے والے پر کافر ہونے کا فتویٰ لگانا جمہور علماء کے قول کے خلاف ہے۔ مگر وہ حضرات جو جمہور علماء کے قول کے مطابق تارک صلاۃ پر کافر ہونے کا فتویٰ تو صادر نہیں فرماتے مگر قصد نماز ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے ضروری نہ ہونے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو ان کی یہ رائے جمہور علماء کے قول کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ غیر منطقی اور دلائل کے اعتبار سے باطل بھی ہے جیسا کہ مشہور و معروف محدث امام نوویؒ نے تحریر کیا ہے۔ نیز احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فرض نماز کی قضاء کو واجب قرار دیا جائے تاکہ کل آخرت میں کسی طرح کی کوئی ذلت اٹھانی نہ پڑے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب و کامران ہو گا، اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہو گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد)

جب ہم نے یہ تسلیم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نماز فرض کی ہے اور قصد نماز چھوڑنے والا کافر نہیں، بلکہ فاسق و فاجر ہے تو قصد نماز چھوڑنے پر قضاء کے واجب نہ قرار دینے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے زنا کیا یا چوری کی تو اسے اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگنی ہوگی اور اگر اس کا جرم شرعی عدالت میں ثابت ہو جاتا ہے تو اس پر حد بھی جاری ہوگی۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ دنیاوی سزا بھی بھگتنی ہوگی۔ اسی طرح قصد نماز چھوڑنے والے کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ نماز کی قضاء بھی کرنی ہوگی۔

غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں یہ بات واضح ہے

کہ ہر نماز کو وقت پر ادا کرنا چاہئے، ہاں خدا نخواستہ اگر کوئی نماز چھوٹ جائے تو پہلی فرصت میں اس کی قضاء کرنی چاہئے خواہ بھول کی وجہ سے یا سونے کی وجہ سے یا کسی عذر کی وجہ سے نماز فوت ہوئی ہو یا محض لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے نماز ترک ہوئی ہو، ایک نماز فوت ہوئی ہو یا ایک سے زیادہ یا چند سالوں کی۔

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر کئی دنوں تک نماز نہ پڑھے۔ خیر القرون میں ایک واقعہ بھی قصداً چند ایام نماز ترک کرنے کا پیش نہیں آیا بلکہ اس زمانہ میں تو منافقین کو بھی نماز چھوڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ اگر لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے نمازیں ترک ہوئی ہیں تو سب سے قبل اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہئے اور توبہ و استغفار کا سلسلہ موت تک جاری رکھ کر فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنی چاہئے خواہ وہ فوت شدہ نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرے یا اپنی سہولت کے اعتبار سے ہر نماز کے ساتھ قضاء کرتا رہے۔ علماء کرام نے تحریر کیا ہے کہ ایسے شخص کے لئے بہتر ہے کہ وہ نوافل کا اہتمام نہ کر کے فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرے۔ یہی 1400 سالوں سے جمہور فقہاء و علماء و محدثین و مفسرین کی حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں رائے ہے اور عصر حاضر میں مشرق سے مغرب تک اکثر و بیشتر علماء کرام کی یہی رائے ہے اور یہی قول احتیاط پر مبنی ہے کہ نمازوں کو چھوڑنے کا سخت گناہ ہے حتیٰ کہ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ زنا کرنے، چوری کرنے اور شراب پینے سے بھی بڑا گناہ نماز کا ترک کرنا ہے۔ لہذا فوت شدہ نمازوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ ان کی قضاء بھی کرنی چاہئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں نمازوں کو ان کے اوقات پر پڑھنے والا بنائے اور

ایک وقت کی نماز بھی ہماری فوت نہ ہو۔

دین کا اہم موضوع تصوف

کھ..... مولانا عنایت اللہ عینی رحمۃ اللہ علیہ

ہر علم کا ایک موضوع ہے اور اس کی ایک غایت ہے عمل کی سب تک و تاز
اسی ایک موضوع کے گرد ہوتی ہے اس کی غایت اس کا تکمیل ہے تصوف کا موضوع
دلوں پر صفائی کی محنت ہے اور اس کی غایت خدا کی محبت کا حاصل کرنا ہے یہاں تک کہ
بندہ اس کا ہو کر رہ جائے اور وہ کچھ دیکھ لے جو اس نے کبھی سنایا سمجھا نہ تھا یہ عبادت کی
غایت ہے جو موت پر پوری ہوتی ہے واعبد ربك حتى ياتيك اليقين (سورۃ الحجر 99)
(آثار الاحسان ج 1 ص 55 از ڈاکٹر علامہ خالد محمود)

بے شک تصوف کا نام دور نبوی اور صحابہ میں ایجاد نہیں تھا تاہم اس کا
مصدق موجود تھا جیسے قرآن پاک میں تزکیہ اور حدیث شریف میں احسان کہا گیا ہے،
بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں شامل تھا: ارسلنا فیکم
رسولا منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلّمکم الكتاب والحکمة۔

(سورۃ البقرہ 150)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم یتلوا
علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلّمہم الكتاب والحکمة - (سورۃ آل عمران 161)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ کتاب و سنت اس امت کا چشمہ علم ہے تو تزکیہ
قلب سے اس کی عمل کی ابتداء ہے جس طرح بعد میں علم قرآنی کو تفسیر اور سنت کے
علم کو حدیث کیا جانے لگا اور جس طرح ان دونوں سے مستنبط شدہ احکام کو علم فقہ اور

ان سے حاصل شدہ عقائد کو علم الکلام ان کے قواعد و ترتیب سے پڑھنے کو علم تجوید اور ان کے الفاظ کی غلطیوں سے بچانے والا علم کو علم صرف و نحو کہا جانے لگا اسی طرح اسی تزکیہ قلب اور اسی احسان کا نام علم تصوف پڑ گیا۔

تصوف سے مراد نفس کو حسد اور تکبر حب دنیا اور عشق جاہ و منصب جیسی عام بیماریوں سے پاک کر کے خدا تعالیٰ کی محبت رضا، اخلاص اور توکل پیدا کرنا ہے اس لیے کہ جب تک نفس سرکش سے، شرعی احکام کی بجا آوری اور ان کی طرف نفس کا میلان نہیں ہو سکتا ہے کیا عجب کہ وہ بہت سے دینی احکام محض غرور (دھوکہ) کی پیاس بجھانے کے لیے انجام دے مثلاً وہ ان کو جاہ و منصب مال و دولت کے حصوں کے لیے اور اظہار محب کے لیے استعمال کر رہا ہو ایسے شخص میں اسلام محض نام کا رہ جاتا ہے۔ ایسا شخص اسلام کے خوشنما پر دے میں غرور و تکبر جیسے خطرناک امراض چھپائے بیٹھا ہے جن کا صفایا کرنا ہی اسلام کا اہم مقصد ہے اسلام کا اصل جوہر یہ ہے کہ نفس کو اس طرح کی گندگیوں سے پاک و صاف کر کے اس میں حب الہی رضا توکل اور خوف خدا جیسے پاکیزہ اور صاف صفات کی آبیاری کی جائے۔

(سلفیت ایک تحقیقی جائزہ ص 132 از علامہ سعید رمضان البوطی)

اسلام کی انہی اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے کچھ اصحاب تربیت چند اعمال اور تربیتی کورس کی پابندی کرتے اور کراتے ہیں ان کے صحیح یا غلط ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں! مبادیات و احکام شریعت سے موافقت و مخالفت دونوں طرح کے آثار ان میں ملتے ہیں اس لیے ان کو اجتہادی امور کے قبیل سے ماننا ہو گا جو بہر حال نصوص فہمی اور تفسیر و استنباط کے منہاج و ضوابط کے دائرے میں آتے ہیں یہ اجتہادی طریقے اور اعمال جن کا مقصد حقیقت اسلام سے آراستہ ہونا ہے مجموعی طور پر جائز

رہیں گے جس طرح دوسرے اجتہادی و نظریاتی مسائل میں کسی مجتہد کو دوسرے پر ضلالت و گمراہی کا حکم لگانے کا حق نہیں اسی طرح یہاں بھی کیونکہ ایسا حکم اس منہج کے ضوابط کی بنیاد پر لگایا جاسکتا ہے اور جب اس کے ضوابط بذات خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں تو ان کی بنیاد پر دوسرے مجتہد کو احمق یا گمراہ کہنا تمام شرعی ضوابط کی خلاف ورزی ہے اور دین دفاع دین کے نام پر انانیت و ہوس کی تسکین کے سوا کچھ نہیں۔

(سلفیت ایک تحقیقی جائزہ ص 184)

مولانا نعیم الدین صاحب ”تصوف اور صوفیاء کرام“ میں لکھتے ہیں:

تصوف کی حقیقت اور صوفیائے کرام کے مقاصد حسنہ سے معلوم ہوا کہ حقیقی تصوف تزکیہ قلب اور کیفیت احسانی کے پیدا کرنے کا نام ہے جو مزہب کی روح اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے اس کی اساس شریعت ہے اور اس کا سرچشمہ کتاب و سنت ہے۔ تصوف کی مستند کتب مثلاً: احیاء العلوم، قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، تذکرۃ الاولیاء، فوائد الفوائد، خیر المجالس وغیرہ کے صفحات الٹ جائیے صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ آپ کو صوفیاء کرام کی طرف سے کتاب و سنت پر عمل کی تلقین ملے گی، ذیل میں صوفیائے کرام کی کتابوں سے حفاظت شریعت اور اتباع سنت کی تلقین کے چند حوالے جات نذر قارئین کیے جاتے ہیں:

1: تیسری صدی ہجری کے بزرگ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ (م 297ھ) فرماتے ہیں: راہ تصوف تو صرف وہی شخص پاسکتا ہے جس کے سیدھے ہاتھ میں کتاب اللہ ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ تو شبہ کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔ (تذکرۃ الاولیاء ج 2 ص 8 از شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ)

اسی طرح دوسری جگہ آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب کتاب و سنت کے اصولوں کا پابند ہے نیز فرمایا ہمارا یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے مضبوط ہوتا ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ 20 از شیخ ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ)

2: حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد عارف باللہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ (م 245ھ) ارشاد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے محب اور عاشق ہونے کی علامت یہ ہے کہ اپنے اخلاق و اعمال اور تمام امور و سنن میں حبیب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔ (الاعتصام ج 1 ص 92 از علامہ شاطبی رحمہ اللہ)

3: شیخ سہل تسری رحمہ اللہ (م 283ھ) فرماتے ہیں: صوفیاء کے سات اصول ہیں کتاب اللہ کے ساتھ تمسک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع، اکل حلال، لوگوں کی ایذا دہی سے بچنا، گناہوں سے بچنا، توبہ کرتے رہنا، حقوق ادا کرنا۔

(الاعتصام ج 1 ص 92 از علامہ شاطبی رحمہ اللہ)

4: شیخ احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ (م 230ھ) فرماتے ہیں: جو شخص اتباع سنت کے بغیر عمل کرتا ہے اس کا عمل باطل و بیکار ہے۔ (الاعتصام ج 1 ص 94 شاطبی)

5: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (م 561ھ) فرماتے ہیں: صاحبزادے تیرا بدکاروں کے ساتھ رہنا تجھ کو نیکو کاروں سے بدگمانی کے اندر ڈال دے گا اللہ عز و جل کی کتاب اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سایہ کے نیچے چل یقیناً فلاح پائے گا۔ (الفتح الربانی مع ترجمہ فیوض یزدانی ص 40)

اب رہا ان حضرات کا کہنا کہ تصوف ایک عجمی سازش ہے اور یہ یونانی فلسفہ ہے یہ اسلام کے خلاف ایک متوازی دین ہے تو یہ بات نہ صرف غلط ہے بلکہ امت مسلمہ کے ان جلیل القدر ہستیوں پر بدگمانی بھی ہے جنہوں نے تصوف کے ذریعے

دین اسلام کو بقاء دی ہے۔

اس لیے کہ یونانی علوم کی آمد خلیفہ ہارون رشید کے بیٹے خلیفہ مامون رشید کے عہد تیسری صدی میں ہوا ہے جب کہ تصوف اور صوفی کے الفاظ اس سے دو صدی پہلے خیر القرون میں رائج ہو چکے تھے ذیل میں چند شواہد ذکر کیے جاتے ہیں:

- 1: امام حسن بصری رحمہ اللہ (م 110ھ) فرماتے ہیں: میں نے طواف کے دوران ایک صوفی کو دیکھا اور اسے کچھ دینا چاہا مگر اس نے نہیں لیا اور کہنے لگا میرے پاس چار دانگ پڑے ہیں وہ میرے لیے کافی ہیں۔ (اللمع فی التصوف ص 25 شیخ الطوسی)
- 2: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (م 161ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ابو ہاشم صوفی (م 150ھ) نہ ہوتے تو میں ریاء کی باریکیاں نہ جان سکتا۔

(عوارف المعارف ص 66 للسہروردی، الفتاویٰ الحدیثیہ ص 470)

- 3: امام مالک رحمہ اللہ (م 179ھ) تو یہاں تک فرما گئے کہ جو فقہ علم ظاہری حاصل کرے اور تصوف حاصل نہ کرے تو وہ شخص فاسق ہے اور جو صرف تصوف کے پیچھے پڑ جائے اور ظاہری علم فقہ حاصل نہ کرے تو وہ زندیق ہے اور جو شخص دونوں کو حاصل کرے تو وہ محقق ہے۔ (قواعد التصوف ج 2 ص 2 امام احمد زروق المالکی)

لہذا یہ اعتراض باطل ہے کہ تصوف نئی چیز ہے بلکہ صاحب اعتراض کی کم فہمی پر دال ہے شیخ ابو الفرسراج طوسی رحمہ اللہ بھی اپنی کتاب اللمع فی التصوف ص 25 میں لکھا ہے اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ (م 974ھ) لکھتے ہیں کہ صحابہ میں صوفی کا لفظ اس لیے عام نہ ہوا کہ ان پر صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گہرا اثر تھا باوجود اس کے کہ وہ بڑے علماء فقہاء مجاہدین تھے لیکن صحابہ کے علاوہ کوئی دوسرا نام ان پر نہیں بولا جاتا لہذا صوفی بھی اسی طرح کا معاملہ ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ ص 470)

تقلید شخصی کیوں واجب ہے؟

کچھ..... مولانا محمد مبشر بدر حفظہ اللہ

پوری امت ایک راستے پر چلتی چلی آرہی ہوتی ہے۔ اس کا ایک منہج، ایک نظریہ اور ایک فکر ہوتی ہے۔ گویا ایک اجتماعیت ہوتی ہے جس میں اس کی قوت و مضبوطی پنہاں ہوتی ہے پر فساد اور انتشار کی ابتدا وہاں سے ہوتی ہے جہاں سے اس کے منہج و نظریے کی یا تو غلط تعبیر و تشریح کی جائے یا اس کے سابق منہج سے سر مو انحراف کر کے الگ راہ نکال لی جائے اور سمیل المؤمنین کی مخالف راہ اختیار کی جائے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سے امت کی وحدت پارہ پارہ ہوتی ہے اور فتنہ، فساد اور انتشار کو ہوا ملتی ہے۔ قدرت نے جس طرح اسلام کی بقا کی ضمانت لی ہے جو بذریعہ نزول ملائکہ نہیں کہ فرشتے اتریں اور اسلام کی اشاعت و حفاظت کا فریضہ سرانجام دیں بلکہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کو گروہ انسانیت میں سے پیدا کر کے اپنے پیغام کی تبلیغ کرائی گئی ٹھیک اسی طرح اسلام کی حفاظت کے لیے ایسے رجال کار کو امت مسلمہ میں پیدا فرمایا جنہوں نے اسلام کے نظریے اور مزاج کے تحفظ کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا اور تھکایا یہاں تک کہ اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔

جناب رسول اللہ ﷺ جب تک موجود رہے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مسائل کے حل کے لیے در رسول ﷺ پر حاضر ہو جاتے وہاں سے انہیں مسائل کا حل مل جاتا۔

وفات سے کچھ عرصہ قبل آپ علیہ السلام نے اپنی امت کو ارشاد فرمایا:
”میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تم میں زندہ رہوں گا۔ لہذا (فاقتدوا بالذین من

بعدی ابی بکر و عمر) تم میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنا۔“

(ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مستدرک)

اس امر کی تعمیل میں لوگ آقا علیہ السلام کی رحلت شریفہ کے بعد سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آنے لگے۔ جب کہ صحابہ کرام میں اجلہ صحابہؓ کی ایک معتد بہ تعداد منصب اجتہاد کو پہنچی ہوئی تھی جنہیں آقا علیہ السلام کے علم کا وافر حصہ ازبر تھا وہ لوگوں کو نئے پیش آمدہ مسائل کا حل بتایا کرتے تھے۔

یہ وہ وقت تھا جب شریعت کے تمام مسائل مدون اور مرتب نہیں ہوئے تھے اس لیے کسی ایک عالم کی اتباع کا اس درجے اہتمام نہیں تھا کہ اس کے سوا دوسرے عالم سے رجوع جائز نہ ہو، بلکہ لوگ کسی ایک عالم سے رجوع کرتے تو کبھی دوسرے سے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی عالم کے تقویٰ، تبحر علمی اور اس پر اعتماد خاص کی وجہ سے لوگ اسی سے ہی تمام یا اکثر مسائل میں رجوع کرتے، اس کے ہوتے ہوئے دوسرے سے رجوع مناسب نہ سمجھتے۔ اور اس سے اس مسئلے کی دلیل بھی طلب نہیں کرتے تھے بس تقویٰ اور تبحر علمی پر ہی اعتماد کرتے تھے اور یہی اصطلاح میں تقلید کا مطلب ہے کہ ”مجتہد کے قول پر بغیر مطالبہ دلیل عمل کرنا اس حسن ظن کے ساتھ کہ وہ قرآن و سنت سے ماخوذ اور مطابق ہے۔“

اس نوعیت کی ایک روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ”اہل مدینہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسئلہ دریافت کیا کہ ”کیا جب عورت حیض میں مبتلا ہو جائے تو اس کے لیے طواف زیارت کے بعد طواف وداع چھوڑ کر اپنے وطن جانا جائز ہے؟“ جواب میں سیدنا ابن عباسؓ نے جواز کا قول فرمایا جس پر لوگ کہنے لگے ہم آپ کی بات لے کر سیدنا زیدؓ کی بات نہیں چھوڑ سکتے

کیوں کہ وہ فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے طوافِ وداع چھوڑ کر وطن جانا جائز نہیں۔ اس کی وجہ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر ان کا زیادہ اعتماد تھا تبھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوے پر توجہ نہ دی پھر جب سیدنا زید تک حدیثِ صفیہؓ پہنچی تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ یہ اس بات کی مثال تھی کہ لوگ اپنے اعتماد والے عالم پر دیگر علماء کی نسبت زیادہ رجوع کرتے تھے اور اس کے فتاویٰ کو دوسرے علماء کے فتاویٰ پر ترجیح دیتے تھے۔

یہ سب اس وقت تھا جب مذاہبِ مدون نہ تھے۔ ان کے اصول وضع نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے لوگ کسی خاص فقہ کے پابند بھی نہ تھے۔ بس بعض تو مختلف علماء سے جہاں موقع ملتا رجوع کر لیا کرتے اور بعض اپنے معتمد علیہ فقیہ کے فتاویٰ پر انحصار کرتے۔ خیر القرون کے زمانے میں فقہاء مجتہدین کی کمی نہ تھی، وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے جو بلادِ اسلامیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن جو مقبولیت اللہ کی طرف سے فقہائے اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

سب سے پہلے جدید پیش آمدہ مسائل کی تدوین کی طرف سیدنا ابو حنیفہ رحمہ اللہ متوجہ ہوئے انہوں نے باقاعدہ قرآن و سنت میں غور و خوض کر کے فقہ کے اصول مرتب فرمائے اور یوں سلسلہ چل نکلا اور وقت گزرنے کے ساتھ چار فقہ متعارف ہو گئیں جنہیں لوگوں میں قبولیتِ تامہ حاصل ہوئی۔ جب کہ باقی فقہاء کو وہ مقام اور مقبولیت نصیب نہ ہو سکی یہاں تک کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا یا کہیں کسی کتاب میں ان فقہاء کا کوئی ایک آدھ قول مل جاتا ہے۔ جب کہ مدون اور مرتب صورت میں ان چار فقہوں کو شہرت حاصل ہو گئی۔ جن کا ماخذ صرف اور صرف قرآن و سنت تھا نہ کہ

خواہشات و ہوائے نفس کی اتباع، جن سے یہ فقہاء ماوراء تھے۔ فقہائے اربعہ اور ان کے متبعین اہل علم نے اس میں انسانی زندگی سے متعلق تمام گوشوں سے متعلق مسائل حل فرما کر امت سے استنباط و استخراج کا بوجھ اتار دیا اور صحیح منہج امت کو دے گئے۔

یہ چاروں فقہ عالم اسلام میں رائج ہو گئیں۔ ان کے مرتب اور مدون ہونے کے بعد انتظامی طور پر لوگ کسی ایک فقہ جن پر ان کا اعتماد تھا عمل پیرا ہو گئے اور اپنی زندگی میں پیش آمدہ تمام مسائل کے حل کے لیے اس فقہ کے ماہر علماء سے رجوع کرنے لگے۔ عالم اسلام کے تمام اہل علم کا ان مذاہب اربعہ کی حقانیت پر اجماع ہو گیا۔ دراصل یہی اہل السنۃ والجماعت کا اصلی مصداق ہیں جن سے روگردانی کرنا نجات یافتہ طبقہ اہل السنۃ والجماعت سے باہر ہونا ہے۔

ان میں واقع ہونے والا آپس میں فقہی اختلاف دراصل احادیث مبارکہ اور اقوال و اعمال صحابہؓ کے اختلاف کی وجہ سے رونما ہوا۔ ہر فقیہ نے دلائل کی بنیاد پر ایک جانب کو رائج قرار دے کر دوسری جانب کو مرجوح قرار دیا۔ ان میں سے کسی کو بھی قرآن و سنت کی مخالفت کرنے اور خواہشات پر عمل کرنے والا نہیں کہا جاسکتا۔ جسے بنیاد بنا کر یار لوگوں نے ان چاروں فقہ کا نہ صرف انکار کیا بلکہ اسے قرآن و سنت سے مخالف اور گمراہی کا موجب بنا کر پیش کیا (معاذ اللہ) اور تقلید کے خلاف مکمل محاذ آرائی قائم کر لی اور امت کے متواتر و متواتر طریقے کے خلاف ایک الگ راہ اختیار کر کے خود کو مجتہد سمجھنے لگے۔ یاد رکھیے کہ غیر مجتہد پر چاروں فقہ میں سے کسی ایک فقہ کی تقلید لازم ہے اور یہ لزوم و وجوب کسی شرعی و قطعی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ انتظامی طور پر ہے جیسا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”سو ہم تقلید شخصی کو فی نفسہ فرض یا واجب نہیں کہتے، بلکہ یوں کہتے ہیں کہ تقلید شخصی میں دین کا

انتظام ہے اور ترکِ تقلید میں بے انتظامی ہے۔“ (خطبات حکیم الامت: ج ۶: ص ۱۷۲)

اب یہاں سے اس اعتراض کا جواب دیا جاسکتا ہے کہ بیک وقت تمام فقہوں پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا صرف تقلیدِ شخصی کو کیوں واجب کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمام فقہوں کی بیک وقت تقلید جائز قرار دی جائے تو اس سے اتباعِ شریعت کے بجائے اتباعِ خواہشات لازم آتی ہے۔ خاص طور اس فساد کے دور میں جب کہ احکامات پر عمل کمزور پڑ گیا ہے اور دین کے بجائے خواہشات کی اتباع کی جارہی، لوگ ان فقہاء کے اقوال کو کھیل بنالیں گے۔ مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں بدن سے خون نکلنا ناقضِ وضو نہیں ہے جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح بیسیوں مسائل ہیں۔ اب کوئی شخص اپنی آسانی دیکھتے ہوئے جس وقت جس پر چاہے عمل کر لے گا جب کہ یہ شریعت پر عمل تو نہ ہو خواہشات کی تقلید ہوئی جسے حرام کہا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کے عظیم شارح علامہ نوویؒ نے اپنی کتاب ”المجموع شرح المہذب، مقدمہ، فصل فی آداب المستفتی (۱/ ۵۵)“ میں لکھا ہے کہ ”اگر لوگوں کے لیے اپنی چاہت کے مذاہب پر عمل کو جائز قرار دیا جائے تو اس سے یہ خرابی پیدا ہوگی کہ وہ ان مذاہب اربعہ کے رخصت اور آسانی والی مسائل کو چن کر عمل کرنے لگیں گے جو کہ خواہشات کی اتباع ہے نہ کہ شریعت کی۔“

اسی وجہ سے علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں ”غیر مجتہد کے لیے ان چار مذاہبِ فقہیہ میں سے ایک کی تقلید اس طور پر واجب ہے کہ اس کے سوا پھر دوسرے مذاہب کی تقلید نہ کرے۔“ اور یہ وجوب انتظام ہے۔ اللہ تعالیٰ خواہشات کی اتباع سے محفوظ فرما کر اپنے دین کی اتباع کرنے کی اور امت کے سوا اعظم کے ساتھ چمٹے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فکری گمراہی کا چوتھا سبب

..... مولانا محب اللہ جان حفظہ اللہ

فکری و علمی گمراہی کا یہ ایک اہم ترین سبب ہے کہ انسان ہر چیز کے رد قبول کرنے میں اور حق و باطل کو معلوم کرنے کے لئے اپنی ناقص عقل کو معیار بنالے اور پھر جو چیز عقل میں آئے اسے تسلیم کر لے، جو عقل میں نہ آئے تو اس کا انکار کر دے، درحقیقت (علوم شرعیہ) پر عقل کو ترجیح دینا، اور حقائق اشیا میں وحی، نبوت پر اعتماد کے بجائے اپنی عقل کو فیصلہ مان لینا یہ وہ خطرناک ترین مرض ہے کہ جس میں مبتلا کے بعد راہ حق اور نظریات حق کے دریافت کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں، حق کی بجائے انسان گمراہی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو بندگان خدا نہیں بندگان عقل کہلوانے کے مستحق ہیں، عقل کی غلامی میں مبتلا ہونے کے بعد جب مذہب کا کوئی مسئلہ، حکم، عقیدہ، بظاہر خلاف عقل نظر آتا ہے تو ایسی صورت میں دو گروہ سامنے آتے ہیں، ایک گروہ تو وہ ہے جو اس مسئلہ، حکم اور عقیدہ کو خلاف عقل کہہ کر انکار کر لیتا ہے جیسے قدیم فلاسفہ سے یہ طرز چلا آ رہا ہے اور اب بھی منکرین حدیث اور دیگر منکرین عقائد حقہ اور مادہ سے مرگوب لوگوں میں یہ مرض بڑی حد تک موجود ہے، اور خلاف عقل کہہ کر کسی حدیث، مسئلہ، عقیدہ، کا انکار ایک رواج اور عصر حاضر کا ایک فیشن بن چکا ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو اتنی جرات تو نہیں کرتا کہ وہ کسی مسئلہ کو صراحتاً خلاف عقل کہنے کے بعد اس کا اس انکار کر دے، تو وہ دوسری صورت یہ اختیار کرتا ہے کہ اس مسئلہ، عقیدہ، عمل و حدیث کی تشریح و تفسیر میں دور دراز کی ایسی ناقص اور فاسد

تاویلات کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے جو دین میں تحریفات و تلبیسات کا ہی ایک خاصا نمونہ بن جاتا ہے۔

ہم عقل اور اس کے استعمال کے قطعاً مخالف نہیں کیونکہ اللہ نے اس کو استعمال کرنے کے لئے ہی عطا کیا ہے اور نہ ہی اس کی مخالفت کوئی دانشمندی اور عقلمندی ہے، بات صرف اس کے صحیح مصرف اور اس کے اصلی اور حقیقی منصب و مقام پر رکھ کر استعمال کرنے کی ہے، اہل حق یہ کہتے ہیں کہ عقل کا جو منصب اور مقام ہے اس کو صرف اسی پر رکھ کر استعمال کرنا منشاء خداوندی اور تقاضا عقل سلیم ہے اور دونوں جہانوں کی سعادتوں کو حاصل کرنے کا زینہ ہے، لیکن عقل؛ عقل ہی ہے اور وہ مخلوق ہے، خالق کے مقابلہ میں اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، احکام خداوندی کے سامنے اس کا سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو فیصل مان کر شریعت پر ترجیح و فوقیت دی جائے۔

بندگان عقل جو کہ عقل سے حد درجہ مرعوب ہے اور ہر چیز میں عقل ہی کو معیار اور کسوٹی مانتے ہیں یہاں تک کہ مذہب، اس کی تعلیمات، اس کے حقائق میں بھی عقلیت پرستی ہی کو بنیاد بنا کر چلتے ہیں (اور یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کی سچائی وحی یا علوم نبوت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی صداقت و حقانیت عقل کی تائید و حمایت ہی کی مرہون منت ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہو سکتی ہے۔ اللہ کریم نے علم حاصل کرنے، معلومات کو جمع کرنے، اشیاء کے حقائق کو معلوم کرنے، خالق اور محسن حقیقی کے حقوق کو پہنچانے کیلئے انسان کو تین چیزیں عطا فرمائی ہیں:

(۱) حواس خمسہ (۲) عقل (۳) وحی (و جدانیات)

پھر دیکھئے کہ ان میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص دائرہ عمل ہے جس سے وہ

ہر قدم رکھ ہی نہیں سکتا اور ہر چیز اپنے ہی دائرہ میں قابل عمل ہے دوسرے کے دائرہ عمل میں مداخلت سے وہ چیز عاجز ہے، مثلاً آنکھ دیکھنے کی کام کر سکتی ہے سننے اور بولنے کا ہر گز نہیں پھر سننے میں بھی سب سے قیودات و شرائط و پابندیاں ہیں مثلاً آنکھ حال کی چیز کو تو دیکھ سکتی ہے، ماضی اور مستقبل کی چیز کو دیکھنے سے عاجز ہے، ظاہر کو تو دیکھ سکتی ہے، مگر حقیقت اور باطن کو دیکھنے سے وہ قاصر ہے، صورت کو تو دیکھ سکتی ہے مگر سیرت کو تو دیکھنے وہ قاصر ہے، ایک حد تک دیکھ سکتی ہے، زیادہ فاصلہ پر بھی قوت جواب دے جاتی ہے، الغرض آنکھ کا کام ہے دیکھنا، مگر اس دیکھنا بھی بہت ہی محدود ہے، اسی پر دوسری حواس خمسہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے نمبر پر عقل ہے.....، جہاں حواس خمسہ کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے وہاں سے عقل کے دائرہ عمل کی ابتداء ہو جاتی ہے، مگر عقل بھی اپنے کام میں حواس خمسہ ہی کا محتاج ہے مثلاً اگر آنکھ نے ایک چیز نہ دیکھی ہو، کان نے نہ سنی ہو، ہاتھ نے نہ پکڑی ہو، تو عقل کی وہاں تک رسائی کیسے ہو سکتی ہے؟؟ الغرض کہ عقل بھی کام میں حواس خمسہ کی ہی محتاج ہے اور اس کا بھی ایک مخصوص دائرہ عمل ہے اس دائرہ عمل سے تجاوز کے بعد نتیجتاً گمراہی، ضلالت کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آسکتا۔

تیسرا نمبر وحی الہی کا ہے، جہاں عقل کے دائرہ کار کی انتہاء ہوتی ہے وہاں وحی الہی کے دائرہ عمل کا آغاز ہوتا ہے، عقل صرف ہمیں شریعت، محسن حقیقی کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ترغیب تو دے سکتی ہے اور عقلی دلائل کے ذریعہ ہمیں مجبور کر سکتی ہے، مگر وہ حقوق کیا ہیں؟ ان کی ادائیگی کا طریقہ کار کیا ہے؟ تو ظاہر بات ہے کہ عقل محض ان چیزوں میں اپنی رائے قائم کرنے سے قاصر ہے جب تک کہ محسن حقیقی ہی ان اشیاء کی تجویز اور طریقہ کا حکم نہ دے۔

عقل کا منصب و مقام اور اس کی حقیقت :

عقل کے اس منصب و مقام اور عقل کے دائرہ عمل کی تحدید کے متعلق بعض علماء نے ایک بہت عمدہ مثال پیش فرمائی ہے، جس سے عقل کے منصب و مقام کی صحیح تعیین کا اندازہ ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ عقل کی حیثیت بالکل ایسی ہے کہ جیسے ایک عامی آدمی کسی ناواقف سائل کو شہر کے مفتی کے پاس پہنچا دے اور بتلا دے کہ یہ مفتی ہے پھر اگر اس عامی راہنما اور اس مفتی کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو یہ ناواقف صاحب کا بھی فرض ہو گا کہ وہ مفتی کے قول کو ترجیح دے اور اس عامی کو ہر گز یہ کہنے کا حق نہیں ہو گا کہ چونکہ میں نے ہی تو آپ کی راہنمائی کی ہے، اگر راہنمائی نہ کرتا تو تم کو اس مفتی تک رسائی کیسے ہوتی لہذا میری بات کو ترجیح دو۔

رسالت کے علم کے بعد عقل کا بھی یہی کام ہے کہ وہ رسول پر اعتماد اور اس کی اطاعت کرے، جس طرح ہر فن میں صاحب فن کی تقلید کی جاتی ہے اور بے چوں و چرا اس کے مشورہ پر عمل کیا جاتا ہے اور اس کے قول کو قول فیصل سمجھا جاتا ہے اس طرح امور غیبیہ و احکام و شرائع اور مابعد الطبعیات میں بھی رسول سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا قول قول فیصل ہوتا ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۲، ص ۲۲۳)

مذکورہ بالا اقتباس سے عقل کے منصب و مقام اور اس کے دائرہ عمل کی انتہاء کا پتہ چلتا ہے اور یہی ایک نظریہ ہے جو عقل کے متعلق پائے جانے والے مختلف نظریات میں اعتدال کا مظہر ہے۔

اللہ کریم ہم سب کو شریعت مطہرہ و مقدسہ کے احکامات اور مابعد الطبعیاتی حقائق کو دل و جان تسلیم کرنے اور پوری عقیدت و بصیرت کے ساتھ وحی الہی کی روشنی میں قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

باتیں اُن کی یاد رہیں گی!!

کھ..... مفتی راشد ڈسکوی حفظہ اللہ

ماضی قریب کے بند درپچوں میں جھانک کر دیکھیں تو وہاں اپنے اکابر اساتذہ کرام کی سرپرستی، اُن کی راہنمائی، اُنکی پکڑ کے چلانا، ہر مرحلے میں تربیت کرنا، قدم قدم پر سمجھانا نظر آتا ہے تو پیشانی اللہ تعالیٰ کے سامنے تشکر بھرے جذبات کے ساتھ جھک جاتی ہے، الحمد للہ علی ذلک، وجزاہم اللہ خیرا وحسن الجزاء۔ قابلِ صدا احترام مُشفیق اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کرتے تو معلوم نہیں ہماری زندگی جانوروں کی طرح ہوتی یا اُن سے بھی بدتر ہوتی؟!

9/ محرم الحرام 1436ھ کی رات آٹھ بجے مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے طلبہ کی طرف سے صدمے سے لبریز یہ خبر آئی کی اُستادِ محترم مولانا جمشید علی خان رحمہ اللہ اس بے وفادانیا کو داغِ مفارقت دیتے ہوئے سفرِ آخرت شروع کر چکے ہیں: ”اِنَّ اللّٰهَ وَاَنَا لَیْہِ رَاجِعُونَ“ اِنَّ اللّٰهَ مَا اخَذَ، وَلِلّٰہِ مَا عَطٰی، وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی“

اُستادِ محترم رحمہ اللہ اتباعِ سنت، تقویٰ، تواضع، للہیت اور امتِ محمدیہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے جس درد اور فکر و کڑھن کو اپنے سینے میں لیے ہوئے تھے، وہ کسی سے مخفی نہیں، اس مضمون میں اُن کے مناقب پر روشنی ڈالنا ہی مقصودِ اصلی نہیں ہے (اگرچہ!) ضمناً یہی کچھ سامنے آئے گا) بلکہ اس تحریر سے مقصود اپنی نسبت اُس عظیم ہستی کے ساتھ جوڑنا ہے کہ مجھے بھی اُستادِ محترم رحمہ اللہ کے سامنے کچھ لمحات بیٹھنے کا شرف حاصل ہے، یقیناً یہ مجھ جیسوں کے لیے قابلِ افتخار، باعثِ مسرت اور ذخیرہ آخرت ہے، نیز! اپنے ہم سفر طلبہ ساتھیوں کے ذہنوں میں اُستادِ محترم رحمہ اللہ سے متعلق

وابستہ یادوں کو تروتازہ کرنا ہے۔

مجھ سمیت دیگر طلبہ کا ایک جم غفیر مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کی قدیم عمارت (جس کے خدوخال یا حد و واربعہ کو بھی سمجھنا یا سمجھنا چاہیں تو شاید ممکن نہ ہو) کے دائرِ خامس میں بیٹھے ہوئے انتظار کے پُر مشقت لمحات سے گزر رہا تھا، کہ ہمیں بتلایا گیا تھا، کہ ابھی کچھ دیر بعد مدرسہ کے قواعد و ضوابط اور پابندیاں پڑھ کے سنائی جائیں گی، جس میں تمام طلبہ اور اُن کے سرپرستوں کی شرکت لازمی ہے۔ خیر! کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اُستادِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا جمشید علی خان رحمہ اللہ تشریف لائے، اور جلوہ افروز ہوئے، اُستادِ محترم کی بارعب شخصیت اور جاہ و جلال کا اثر تھا کہ پورے ہال میں ایسا سکوت اور فضا میں طمانیت تھی کہ سانس تک کی آواز اس پُر سکون ماحول میں تلاطم پیدا کر رہی تھی، اُستادِ محترم رحمہ اللہ نے کچھ دیر گفتگو فرمائی: جو لوحِ دل و دماغ پر کچھ اِس طرح سے نقش ہو گئی کہ آج بھی اُن ہدایات کے نقوش پوری طرح تروتازہ ہیں، خلاصہً کچھ باتیں یہ تھیں: بھائیو! تم سب اپنی اپنی اولادوں کو، اپنے عزیزوں کو دینی تعلیم کے حصول کی نیت سے داخل کروانے آئے ہو، تو اچھی طرح یہ بات سُن لو اور اپنے اپنے دلوں دماغ میں بٹھالو اور جا کر اپنے گھر والوں کو سمجھا دو، کہ آج کے بعد ہمارا یہ بنیاد نیاوی اعتبار سے ہمارے کسی کام کا نہیں، ہم نے اسے دین کے لیے فارغ کر دیا ہے۔“ پھر پوچھا: ”جی عزم کر لیا؟ اچھا یہ بتاؤ! کہ جب کالے بالوں والی آئے گی، اور دنیا کمانے کو کہے گی، تو پھر کیا کرو گے؟“ فرمایا: بھائیو! ”اس لیے دین کی بنیاد پر رشتہ تلاش کرنا ہے، اور اُسے پہلے سے ہی سمجھا دینا ہے کہ ہمارا بیٹا تو ہمیشہ کے لیے دین کے لیے وقف ہو چکا ہے۔“

1951 میں دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ

الادب حضرت مولانا اعجاز علی دیوبندی اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی نابغہ روزگار ہستیوں کے سامنے زانوئے تلمذ کیا اور دورہ حدیث کی تکمیل فرمائی، فراغت کے فوراً بعد ملک پاکستان کی طرف ہجرت فرمائی، صوبہ سندھ کے ضلع ٹنڈوالہ یار میں واقع ایک بڑے مدرسہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے زیر سایہ اپنے سفر تدریس کا آغاز فرمایا، بارہ سال تک اسی جگہ شب و روز ابتدائی کتب سے لے کر انتہائی کتب تک کی تدریس میں مشغول رہے، اس وقت معاشرے اور عامۃ الناس مسلمانوں کی دینی زندگی کی پستیوں کو دیکھتے دیکھتے دعوت و تبلیغ کی طرف قلبی رجحان بہت زیادہ بڑھ گیا، حتیٰ کہ 1964 میں آپ نے تبلیغ میں سات چلے لگائے، اُس کے بعد آپ کا تقرر مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں ہو گیا، اس سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ اُستاذ محترم رحمہ اللہ جب ٹنڈوالہ یار سے چھوڑ کے رائے ونڈ تشریف لائے تو وہاں صحیح البخاری پڑھاتے تھے، لیکن رائے ونڈ میں آپ کی تدریس کی ابتدا شعبہ حفظ اور تعلیم الاسلام کی تدریس سے ہوئی، اُس وقت سے لے کر 1997 تک درجہ موقوف علیہ تک کی تمام کتب پڑھانے کا آپ کو موقع ملا، 1997 میں مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے بڑے اُستاذ حضرت محمد ظاہر شاہ صاحب رحمہ اللہ تھے، اُن کی وفات کے بعد اُستاذ محترم رحمہ اللہ کو بڑے استاذ کے رتبے سے پہچانا جانے لگا، پھر 1999 میں جب دورہ حدیث کی ابتداء ہوئی تو شیخ الحدیث کے مرتبے پر بھی آپ کو ہی فائز کیا گیا، اُس وقت سے 2010 تک مکمل بخاری شریف اُستاذ محترم رحمہ اللہ ہی پڑھاتے رہے، پھر علالت کی بناء پر صحیح البخاری کا ایک حصہ اُستاذ محترم رحمہ اللہ کے پاس ہی باقی رہا، جو اِمسال تک جاری و ساری تھا اور بقیہ حصے دیگر کبار اساتذہ میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اس طرح آپ کے علوم ظاہریہ اور باطنیہ سے فیض حاصل کرنے والوں کی ملک و بیرون ملک میں

ہزاروں سے متجاوز ہو گئی، صرف اِمسال مدرسہ عربیہ رائے ونڈ سے دورہ حدیث شریف مکمل کر کے دستارِ فضیلت حاصل کرنے والے آپ کے تلامذہ کی تعداد پانچ سو باسٹھ (562) ہے، جن میں پاکستان کے علاوہ بیرون ممالک (مثلاً: برونائی، سری لنکا، تھائی لینڈ، ملائیشیا، انڈونیشیا، فلپائن، ترکی، حبشہ، کمبوڈیا، چین، ناروے، سوڈان، سعودی عرب، تیونس، اردن، روس، قطر، طائف، صومالیہ، مقدونیہ، البانیہ، جنوبی افریقہ، روس، کرغیزستان، تاجکستان، قازقستان اور افغانستان وغیرہ) کے ننانوے (99) طلبہ شامل ہیں، واللہ الحمد!

دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی اُستادِ محترم رحمہ اللہ نے خوب ترقی کی، تبلیغی مرکز رائے ونڈ، پاکستان میں تبلیغی جماعت کی عالمی شوریٰ کے رکن و امیر تبلیغی جماعت پاکستان محترم حاجی عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے بعد بڑی ہستی اُستادِ محترم رحمہ اللہ کو ہی تسلیم کیا جاتا تھا، مرکز میں ہونے والے روزانہ اور ماہانہ مشوروں میں حضرت حاجی صاحب دامت برکاتہم کے بعد آپ ہی ذمہ دار ہوتے تھے، انہی کا فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا، جن ایام میں حاجی صاحب دامت برکاتہم شدید علیل ہوئے یا ہوتے تھے، بیانِ فجر کی ذمہ داری آپ کی ہی ہوتی تھی، اس کے علاوہ اللہ کے راستے میں جانے والی جماعتوں کو دی جانے والی ہدایات اور وقت لگا کر واپس جانے والے احباب میں اختتامی دعا اور مصافحہ بھی اکثر آپ کے ذمہ لگتا تھا۔

اُستادِ محترم رحمہ اللہ نے 1928 میں اس دنیا میں آنکھ کھولی اور 3 نومبر 2014 میں انتقال ہوا، اُستادِ محترم رحمہ اللہ زندگی کے چھیاسی سال اس طرح گزار کے گئے ہیں کہ اُن پر فخر کیا جاسکتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ بھی اُن سے راضی ہوں گے اور آخرت میں اُن کے ساتھ اعزاز و اکرام والا معاملہ فرمائیں گے، ان شاء اللہ العزیز

لوحِ ایام

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا میں معزز مہمانان گرامی کی آمد اور متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کے اندرون و بیرون ممالک کے مختلف مسکلی اسفار اہم مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات سے خصوصی ملاقاتیں

★ 23 اکتوبر مرکز اہل السنۃ والجماعۃ میں عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کے مرکزی، صوبائی، ضلعی ذمہ داران و کارکنان کا مشاورتی و تربیتی اجلاس ہوا۔

★ متکلم اسلام اپنے مسکلی اور دعوتی دورے پر 20 دنوں کے لیے ملائیشیا، سنگاپور، دوہائی تشریف لے گئے۔ جہاں مختلف دینی مدارس اور مساجد میں بیانات فرمائے اور چاروں سلاسل میں لوگوں کو بیعت بھی فرمایا۔

★ مورخہ 7 دسمبر کو منعقد ہونے والے تیسرے سالانہ علماء اجتماع کے حوالے سے مرکز اہل السنۃ والجماعۃ میں اجلاس ہوا جس میں اجتماع کو کامیاب بنانے کے لیے لائحہ عمل طے کیا گیا۔

★ مولانا عبدالقدوس گجر امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ (پنجاب) کی مرکز اہل السنۃ والجماعۃ میں تشریف لائے بعد ازاں قرآن و سنت کا نفرنس بسلسلہ خراج عقیدت شہدائے محرم الحرام سے خطاب فرمایا۔

★ عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے بڑے پیمانے پر دینی اجتماعات، مسکلی سیمینارز، سیرت مصطفیٰ، ختم نبوت، ناموس صحابہ، حقانیت قرآن، شان اولیاء اللہ، فقہ اور فقہاء کی عظمت، اور تحفظ سنت کا نفرنسز کا انعقاد اور متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کے خصوصی خطابات

ماہنامہ فقہ ملنے کے پتے

ایجنسی ہولڈرز	علاقہ	فون نمبرز
دارالایمان	کراچی	03342028787
تحسین اللہ	پشاور	03339217613
قاضی نوید حنیف	آزاد کشمیر	03132317090
مولانا سلیم معاویہ	کبیر والا	03005664817
مولانا محمد صدیق	ڈیرہ غازی خان	03356351893
مولانا محمد عثمان	میانوالی	03336836228
مولانا عمر خطاب	اٹک	03077375075
رحمت اللہ	کوہاٹ	03449251287
مولانا خالد زبیر	لاہور	03153759031
مولانا خالد زبیر	چکوال	03335912502
ضیاء الرحمن	واں بھجراں	03363725900
مولانا محمد دلاور	اوکاڑہ	03136969193
مولانا عبد اللہ قمر	قصور	03008091899
مولانا عبد اللہ شہزاد	حافظ آباد	03212374824
مولانا امان اللہ حنفی	سرگودھا	03067800751
عبد الوکیل عزیز	سیالکوٹ	03338639255

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808